اردو ادب میں تانیثیت: حمیرا اشفاق کی نثر کا تجزیاتی مطالعہ

(Feminism in Urdu Literature: An analytical study of prose of Humaira Ishfaq)

مقالہ برائے ایم۔فل (اُردو)

مقالہ نگار:

انعم فاطمہ

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

جنوری 2023ء

اردو ادب میں تانیثیت: حمیرا اشفاق کی نثر کا تجزیاتی مطالعہ

(Feminism in Urdu Literature: An analytical study of prose of Humaira Ishfaq)

مقالہ نگار:

انعم فاطمہ

یہ مقالہ

ایم۔فل (اُردو)

کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے لیے پیش کیا گیا

فیکلٹی آف لینگویجز

(اُردو زبان و ادب)

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

جنوری 2023

مقالے کے دفاع اور منظوری کا فارم

زیر دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انھوں نے مندرجہ ذیل مقالہ پڑھا اور مقالے کے دفاع کو جانچا ہے، مجموعی طور پر امتحانی کارکردگی سے مطمئن ہیں اور فیکلٹی آف لینگویجز سے اس مقالے کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالے کا عنوان: اردو ادب میں تانیثیت: حمیرا اشفاق کی نثر کا تجزیاتی مطالعہ

پیش کار: انعم فاطمہ   رجسٹریشن نمبر: 15/MPhil/Urd/S20

ماسٹر آف فلاسفی

شعبہ: شعبہ اردو زبان و ادب

ڈاکٹر محمود الحسن رانا

نگران مقالہ

پروفیسر ڈاکٹر جمیل اصغر جامی

ڈین فیکلٹی آف لینگویجز

تاریخ:

اقرار نامہ

میں، انعم فاطمہ حلفیہ بیان کرتی ہوں کہ اس مقالے میں پیش کیا گیا کام میرا ذاتی ہے اور نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگو یجز اسلام آباد کی ایم فل اسکالر کی حیثیت سے ڈاکٹر محمود الحسن کی نگرانی میں کیا گیا ہے۔ میں نے یہ کام کسی اور یونیورسٹی یا ادارے میں ڈگری کے حصول کے لیے پیش نہیں کیا اور نہ آئندہ کروں گی۔

انعم فاطمہ

مقالہ نگار

نیشنل یونی ورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

جنوری 2023

فہرست ابواب

عنوان	صفحہ نمبر
مقالے کے دفاع اور منظوری کا فارم	ii
اقرار نامہ	iii
فہرست ابواب	iv
Abstract	vii
اظہار تشکر	viii
باب اول: موضوع کا تعارف اور بنیادی مباحث	
الف: تمہید	1
i۔ موضوع کا تعارف	1
ii۔ بیان مسئلہ	2
iii۔ مقاصد تحقیق	2
iv۔ تحقیقی سوالات	3
v۔ نظری دائرہ کار	3
vi۔ تحقیقی طریقہ کار	5
vii۔ مجوزہ موضوع پر ما قبل تحقیق	6
viii۔ تحدید	6
ix۔ پس منظری مطالعہ	7
x۔ تحقیق کی اہمیت	8
ب۔ موضوع تحقیق کا تعارف اور بنیادی مباحث	**9**
ج۔۔ تانیثیت کیا ہے؟	9

2۔ تانیثیت کی اقسام 11

3۔ تانیثیت کی روایت 17

4۔ اردو ادب اور تانیثیت 20

5۔ حمیرا اشفاق: احوال و آثار 29

حوالہ جات 34

باب دوئم۔

تانیثیت کے تناظر میں حمیرا اشفاق کی افسانوی نثر

(الف) حمیرا اشفاق کے افسانوی مجموعے "کتبوں کے درمیان" میں تانیثیت کا مطالعہ 37

1۔ تانیثیت کے تناظر میں لکھے جانے والے افسانوں کا جائزہ 38

2۔ تانیثیت کے تناظر میں کرداروں پر ایک نظر 51

(ب) ناول می سوزم میں تانیثیت کے اثرات 58

1۔ تانیثیت کے تناظر میں کرداروں کا جائزہ 59

2۔ مکالموں میں تانیثی شعور 63

3۔ تانیثیت کے تناظر میں ناول کا اجمالی جائزہ 65

حوالہ جات 69

باب سوئم۔

حمیرا اشفاق کے غیر افسانوی ادب میں تانیثی شعور کا مطالعہ

(الف): حمیرا اشفاق کی تنقید میں تانیثی فکریات کا تجزیہ 72

1۔ تانیثیت کا نیا دور 73

2۔ فہمیدہ ریاض شخصیت و فن 78

3۔ اردو فکشن میں خواتین کے تخلیقی سفر کے احوال و مقامات 79

(ب) حمیرا اشفاق تحقیق و تدوین میں تانیثی رویوں کا تجزیاتی مطالعہ 82
1۔ نثر رشید جہاں 82
2۔ محمدی بیگم 85
3۔ مجلہ خاتون 89
4۔ مجلہ عصمت کا انتخاب 91
حوالہ جات 95
باب چہارم
ماحصل
الف۔ مجموعی جائزہ 96
ب۔ نتائج 111
ج۔ سفارشات 112
کتابیات 114

ABSTRACT

Title: (Feminism in Urdu Literature: An analytical study of prose of Humaira Ishfaq)

Feminism is a movement for women struggling for gender equality in every sector, such as education, politics, and many others. Feminists aim for women's liberation in making various decisions for themselves such as expressing both characteristics of masculine and feminine confidently.

The dissertation under consideration deals with the Prose of Dr. Humaira Ishfaq . It is an attempt to reveal her views about feminism in her Short Stories, Novel, Essays and Journals. In this dissertation the Researcher try to find out her views about feminism by reading and analyzing her Prose .

In Urdu Literature Dupty Nazir Ahmed was the first novelist, whowrote a novel "Miraat-ul-Aroos" in term of feminism. Mirza Hadi Rusva, Mohammadi Begum etc were the former writers who promoted feminism by their work.

Now a days feminism is a hot topic which is using in every field, but nobody understand what is feminism . Purpose of this thesis to uncover the reviews of Dr. Humaira Ishfaq about feminine problems and reasons behind them. The Researcher used Content Analyzing Method.

After Analyzing Dr. Humaira Ishfaq Prose , the researcher reach on a point that the writer not only described the stories, she wrote her Short Stories on real lives and experienced them in this realistic world. She told that all the stories she mentioned , she watched them by her eyes. Behind all the stories there is a tradional society who push women behind. In her other books she also revealed the former feminist writers and their work.

اظہارِ تشکر

تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے جو مجھے منصب شہود پر لایا اور اسی بناء پر میرے اطراف و جوانب چھوٹی چھوٹی غیر محسوس تبدیلیاں رونما ہوئیں۔

اگر اس کام کے لیے مجھے صرف ایک صاحب کا شکریہ ادا کرنے کا پابند کر دیا جاتا تو وہ معزز ہستی میرے تحقیقی مقالے کے نگران ڈاکٹر محمود الحسن رانا کے علاوہ کوئی اور نہیں ہو سکتی تھی۔ میں ان کی مسلسل ہدایات، رہنمائی، صبر، سہارے اور اس وقت کے لیے جو انھوں نے میری تحریر کو پڑھنے اور تصحیح میں گزارا، اس کے لیے میں ان کی نہایت شکر گزار ہوں۔ میرے لیے یہ بات دلچسپی کا باعث رہی کہ ان سے گفتگو کے دوران کس طرح نت نئے خیالات جنم لیتے اور بعد میں بھی ان سے کی ہوئی گفتگو میرے لیے نئے خیالات کا منبع رہتی۔

مقالہ لکھنے کے دوران بہت سے لوگون کی راہنمائی، حوصلہ افزائی، مفید معلومات اور دعائیں شامل ہیں میں شعبہ اردو کے تمام اساتذہ کرام کا شکریہ ادا کرتی ہوں۔

ڈاکٹر حمیرا اشفاق جن پر یہ تحقیقی مقالہ لکھا گیا ہے، میں ان کی بھی نہایت شکر گزار ہوں۔ انھوں نے بلا جھجک اپنے قیمتی وقت کو نہ صرف مجھ پر صرف کیا بلکہ مقالے کی تکمیل میں مجھے کتابوں کی ضرورت پڑی تو انھوں نے مجھے اپنی ذاتی لائبریری تک رسائی مہیا کی۔ تحقیقی مقالہ لکھنا جو کہ ایک مشکل کام تھا اور اس دوران جب بھی میرا حوصلہ پست ہوا ڈاکٹر حمیرا نے اپنے الفاظ کے ذریعے میرے حوصلے کو بلند کیا۔

میں اپنی امی کی شکر گزار ہوں جن کی دعاؤں سے میں اس مقام پر پہنچی۔ ان کی مجھ سے بہت ساری توقعات وابستہ ہیں۔ میں اس بات کا اعادہ کرتی ہوں کہ ان کی توقعات پر پورا اترنے اور ان کے خوابوں میں حقیقت کا رنگ بھرنے کی ہر ممکن کوشش کروں گی۔

اختتام پر میں اپنے ماموں (احسان) اور شازیہ ممانی کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گی، جنھوں نے میری زندگی میں ایک بہت ہی اہم کردار ادا کیا اور شاید ان کی بدولت میں ایم فل مکمل کرنے میں کامیاب ہو سکی۔ میں اپنے شوہر، بھائیوں اور دیگر معزز خاندان کے افراد و رشتہ داروں اور اساتذہ کی بہت ممنون و مشکور ہوں

جو میری زندگی میں نہایت اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔ گو میں انھیں نام لیکر مخاطب نہیں کر رہی لیکن انھیں علم ہے کہ میرے دل میں ان کا ایک خاص مقام ہے۔

انعم فاطمہ

ایم۔فل (اردو)

باب 1 ول:

موضوع کا تعارف اور بنیادی مباحث

تمہید

ا۔ موضوع کا تعارف(Introduction)

تانیثیت ایک تحریک کا نام ہے۔ جس کی صدا انیسویں صدی کے اوائل میں فرانس میں سنی گئی۔ تانیثیت "تانیث" سے نکلا ہے۔ یہ انگریزی زبان کے لفظ Feminism کا متبادل ہے اور اس کے معنی و مفہوم تحریکِ نسواں یعنی نسوانیت کے ہیں۔

عورتوں کی مثبت سوچ اور میانہ روی سے انھیں سماجی، سیاسی، اخلاقی، معاشی اور اقتصادی لحاظ سے برابری قائم کرنا ،انھیں ظلم و ستم سے آزادی فراہم کرنا، انھیں ایک مکمل انسان سمجھنا تاکہ معاشرے امتیازات ختم ہو سکیں۔

تانیثی رجحان یہ ہے کہ خواتین کی حق تلفیوں اور خواتین پر ہونے والے جبر اور ان کے حقوق کے استحصال کے خلاف آواز اُٹھائی جاسکے۔ جو خواتین کے ساتھ برے سلوک، ان کے حقوق کی پامالی اور سماجی طاقت کا ایسا شعور پیدا کرتا ہے کہ اجتماعی شعور بیدار ہو سکے۔ تانیثیت ایک ایسے معاشرے کے خلاف اعلانِ جنگ ہے جو جو عورتوں کو نازک صنف سمجھ کر ان سے امتیازی رویہ رکھتا ہو۔ تانیثیت کے ذریعے خواتین بطور فرد اپنے جذبات، احساسات اور تخلیقی صلاحیتوں کا آزادانہ اظہار کر سکتی ہیں۔

ہمارے معاشرے میں پدرانہ نظام کی وجہ سے ہر سیاسی میدان میں مردانہ اجارہ داری اور سماجی ناانصافی نظر آتی ہے۔ خواتین کے لیے جدید تعلیم کی فراہمی کی راہ میں رکاوٹیں ڈالی گئی ۔ وہ مذہبی روایات اور معاشرے میں جکڑی ہوئی ہیں۔ ان پر آج بھی انسانی مظالم کیے جاتے ہیں۔ ان کی بدولت سے زمین عورتوں کے حق میں سخت ہے ۔

ڈاکٹر حمیرا اشفاق اردو ادب کی نہ صرف تنقید نگار، افسانہ نگار، ناول نگار ہیں بلکہ وہ اسلامک یونیورسٹی کے شعبہ اردو میں درس و تدریس کے شعبے سے وابستہ ہے۔ اس کے علاوہ لمز(LUMS) یونیورسٹی کے تحت انھوں نے تانیثیت کے موضوع پر کئی لیکچرز بھی دیے ہیں۔ وہ سارک(SAARC) کا بھی حصہ رہی ہیں۔

اردو ادب میں تانیثیت کے موضوع پر اہل ادب نے بہت کام کیا ہے۔ ان سب مصنفین میں ایک نمایاں نام حمیرا اشفاق کا ہے۔ ڈاکٹر حمیرا اشفاق اردو ادب کا ایک ایسا نام ہے، جنھوں نے اردو ادب کے لیے بہت سی خدمات سرانجام دیں۔ ڈاکٹر حمیرا اشفاق نہ صرف اردو محقق، تنقید نگار ہیں بلکہ اعلیٰ پائے کی افسانہ نگار اور ناول نگار بھی ہیں۔ ڈاکٹر حمیرا اشفاق نے اپنے قلم کے ذریعے تانیثی شعور کو اجاگر کیا۔

ان کی تصانیف اور تالیفوں میں جابجا تانیثیت کے عناصر ملتے ہیں۔ ڈاکٹر حمیرا اشفاق کے افسانوں میں مزاحمت نظر آتی ہے۔ اپنے افسانوں میں وہ عورتوں کے حقوق کے لیے نوحہ کناں ہیں۔ مجوزہ تحقیق میں ڈاکٹر حمیرا اشفاق کی نثر نگاری میں تانیثی رجحان کا مطالعہ کیا گیا ہے۔

2۔ بیان مسئلہ (Statement of the Problem)

تانیثیت کا آغاز اردو ادب میں ڈپٹی نذیر احمد کی مرات العروس سے ہوا۔ ڈپٹی نذیر احمد نے اپنے ناول کے ذریعے اس تحریک کا آغاز کیا اور اردو ادب کو تانیثیت سے متعارف کروایا۔ اس کے علاوہ مرزا ہادی رسوا اور دیگر ادیبوں نے اس تحریک کو پروان چڑھایا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اردو ادب کی ہر صنف نے تانیثیت کو اپنے پہلو میں سمیٹ لیا۔ گذرشتہ کئی دہائیوں سے اردو ادب کی تقریباً ہر صنف میں اس موضوع کے تحت کام کیا جارہا ہے لیکن ڈاکٹر حمیرا اشفاق جو کہ اردو ادب کا ایک نمایاں نام ہیں اس کے باوجود ان پر کوئی تحقیقی کام منظرعام پر نہیں آیا۔ ضرورت ہے کہ تانیثیت / تانیثی شعور کو مدِ نظر رکھتے ہوئے تانیثیت کے زمرے میں ڈاکٹر حمیرا اشفاق کی نثر کا مطالعہ کیا جائے اور ان کے نظریہ تانیثیت سے بھرپور آگاہی حاصل کی جائے۔

3۔ مقاصد تحقیق (Research Objectives)

اس تحقیق میں درج ذیل مقاصد کو پیش نظر رکھا جائے گا۔

i. اردو ادب میں تانیثی مسائل اور ان کے محرکات کو زیر بحث لانا

ii. ڈاکٹر حمیرا اشفاق کے افسانوی نثر میں تانیثی مسائل کی نوعیت کا جائزہ لینا

iii. ڈاکٹر حمیرا اشفاق کی تصانیف اور تالیفات میں عورتوں کو درپیش مسائل اور ان کی وجوہات سے شناسائی حاصل کرنا۔

4۔ تحقیقی سوالات (Research Questions)

اس تحقیق میں موجود تحقیقی سوالات درج ذیل ہیں۔

i. اردو ادب میں تانیثی مسائل اور ان کے محرکات کی نوعیت کیا ہے؟

ii. ڈاکٹر حمیرا اشفاق کے افسانوی نثر میں تانیثی مسائل کیا ہیں؟

iii. ڈاکٹر حمیرا اشفاق کی غیر افسانوی نثر میں عورتوں کی مظلومیت کی کیا وجوہات بیان کی گئی ہیں؟

5۔ نظری دائرہ کار (Theoretical Framework)

مجوزہ تحقیق میں تانیثیت کی تھیوری کو مدِ نظر رکھا جائے گا۔ یہ نظریہ سب سے پہلے میری وال سٹون کرافٹ نے اپنی کتاب میں پیش کیا۔

تانیثی تحریک کا نقش اول ایک خاتون کا مرہونِ قلم ہے۔ جبکہ نقشِ دوم جان اسٹوارٹ مل کی فکر کا نتیجہ ہے۔ تانیثیت کا آغاز امریکہ میں 1848ء میں خواتین کے حقوق اور ان کے حقوق کی پامالی کے بارے میں متعلق پہلی کانفرنس سے ہوا۔ اس کے بعد مختلف تنظیمیں بنائی گئیں۔ جن کا بنیادی مقصد نسائی حقوق کی بحالی، سماجی منصب کا تعین تھا۔ بعد میں ان کی انفرادیت قبول کرنے کی کئی شکلیں سامنے آئیں جو تہذیبی، اخلاقی، تعلیمی، معاشی، اقتصادی حقوق اور دیگر مقاصد کو پورا کرنے میں کسی حد تک معاون و مددگار ثابت ہوئیں۔

According to Mary Wollstonecraft:

"Feminism, the belief in social, economic and political equality of the sexes.It is manifested worldwide and is represented by various

institutions committed to activity on behalf of women's rights and interests".

حقوق نسواں کا شعور پچھلی دو دہائیوں سے ادب میں موجود ہے۔ خواتین کے سیاسی اور نظریاتی فلسفے کی بنیاد چند ممتاز خواتین نے رکھی، جن کے مغربی مفکرین اور مصنفین میں واضح تاثرات ہیں۔ جس میں John (Stuart Mill) نے 1929 میں "عورتوں کی محکومیت" کے عنوان سے ایک اور مضمون "عورتوں کے موضوع پر" لکھا۔ اس کے علاوہ سیمون دی بوائر نے the Second Sex میں تانیثیت پر کھل کر اظہارِ خیال کیا۔ تانیثی تناظر میں مغربی مفکرین میں درج ذیل نام شامل ہیں۔ ورجینیا وولف, جولیا کرسٹیوا اور برونٹیں (Brontes) وغیرہ۔

ان کے کاموں میں حقوق نسواں کے رجحانات ہیں جو منطقی اور سائنسی دلائل کے ساتھ وکالت کے طور پر عورتوں کی بحالی، ان کی پہچان، حیثیت، استحصال، محرومی اور جبر پر مبنی ہیں۔ یہ نسائی رجحان آہستہ آہستہ بین الاقوامی ہو رہا ہے۔ اردو ادب میں نظم، غزل، ناول وغیرہ کی صورت میں حقوق نسواں کے نظریات پہلے سے موجود تھے، جب مغرب میں حقوق نسواں نے زور پکڑا تو بہت سی خواتین مصنفین نے بھی اردو ادب میں حقوق نسواں کے خیالات لکھے۔ چند اہم نام درج ذیل ہیں۔

للیٰ عارفہ

عصمت چغتائی

قرۃ العین حیدر

فہمیدہ ریاض

پروین شاکر

کشور ناہید

شہناز نبی اور بلقیس حسین اور صالحہ کے نام ہیں۔

ادب کے تانیثی مطالعہ سے مراد یہ ہے کہ تانیثیت کو سمجھا جائے۔احتجاج اور نعرے لگانے کے بجائے حق اور انصاف کی حمایت کا نام تانیثیت ہے۔یہ پدرانہ سماج کے اصولوں کو ختم کرکے ایک نیا معاشرہ تشکیل دیتا ہے۔ادب میں تانیثیت کے اہم نمونوں میں سماج اور معاشرے میں پسی ہوئی خواتین کے ردِّعمل،نفسیات اور سوچ کو مابعد جدید افکار بنانے کی شروعات کی جو تانیثی مصنفین نے خواتین کے ہر جائز مقاصد کو پورا کرنے میں معاون ثابت ہوئی۔

اردو ادب میں تانیثیت / تانیثی شعور کے اعتبار سے کافی کام ہو چکا ہے اقبال ہو یا کشور ناہید بہت سے ادب نگاروں کے ادب پاروں پر تانیثی شعور کے اعتبار سے بہت کام ہو چکا ہے، لیکن ابھی تک حمیرا اشفاق صاحبہ پر تانیثیت کے اعتبار سے کوئی کام نہیں ہوا۔چونکہ ڈاکٹر حمیرا اشفاق کا نام اردو ادب کے نمایاں لوگوں میں شمار ہوتا ہے،اس لیے میری خواہش ہے کہ ان پر اس موضوع کے تحت کام کیا جائے۔

6۔ تحقیقی طریقہ کار(Research Methodology)

تحقیق کا موضوع چونکہ ڈاکٹر حمیرا اشفاق کی نثر میں تانیثی رجحان کا مطالعہ ہے۔اس لیے اس سلسلے میں دستاویزات کو استعمال کیا جائے گا۔جس میں لائبریری میں موجود تانیثیت،اس کی اقسام، تحریکوں کے متعلق کتابوں سے مستفید ہونے کے ساتھ ساتھ حمیرا اشفاق کی نثر کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ان کے نظریہ تانیثیت سے آگاہی حاصل کی جائے گی۔اس کے علاوہ ڈاکٹر حمیرا اشفاق کا انٹرویو بھی لیا جائے گا۔جو اس تحقیق میں بہت معاون و مددگار ثابت ہو گا۔ تحقیق کے لیے مختلف جامعات کے کتب خانوں سے استفادہ کیا جائے گا۔بعد ازاں مصنفہ کے رفقاء اور ان کے ساتھیوں کا انٹرویو اور ان کی قیمتی آراء بھی تحقیق کا حصہ ہوں گی۔اس تحقیق میں موادی طریقہ کار(Content Analysis method)اختیار کیا جائے گا۔جس میں مواد کی جمع آوری کے بعد ان کا تجزیہ کیا جائے گا۔

7۔ مجوزہ موضوع پر ما قبل تحقیق(Work already done)

حمیرا اشفاق پر ابھی تک کوئی مقالہ منظرِ عام پر نہیں آیا۔ البتہ تانیثی شعور کے حوالے سے درج ذیل کام کیا گیا ہے۔

i. اقبال کا تانیثی شعور (بصیرہ عنبرین)

ii. تانیثیت کی روشنی میں فہمیدہ ریاض اور پروین شاکر کے کلام کا مطالعہ

(جویریہ ڈوگر، جی۔ سی یونیورسٹی لاہور 2007)

iii. خواتین کی اردو آپ بیتیوں میں تانیثی تصورات (تحقیقی و تنقیدی مطالعہ)

(سکینہ صدیق، ز-ت، نمل یونیورسٹی، اسلام آباد)

iv. عصمت چغتائی اور ممتاز شیریں کے افسانوں میں تصور عورت (تجزیاتی و تقابلی مطالعہ)

(شازیہ اکبر، نمل یونیورسٹی، اسلام آباد 2017)

v. شاعری اور نسائی شعور، (منتخب شاعرات کی نثری نظموں میں نسائی شعور کا تحقیق مطالعہ)

(رومیسہ سہیل، ز-ت، نمل یونیورسٹی، اسلام آباد)

vi. نیلو فر اقبال کے افسانوں میں تانیثی شعور

(شائستہ خالد، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور 2010)

8۔ تحدید(Delimitations)

مجوزہ موضوع میں تانیثیت اور تانیثی رجحان، اس کی تحریکیں اور اقسام جاننے کے لیے لائبریری میں موجود مختلف کتابوں سے استفادہ کیا جائے گا، اس کے علاوہ تانیثیت کو دیکھتے ہوئے ڈاکٹر حمیرا اشفاق کی تانیثی شعور کے متعلق افسانوی اور غیر افسانوی نثر کا مطالعہ کیا جائے گا۔ ڈاکٹر حمیرا اشفاق کی تحقیق، تنقید، افسانہ اور ناول کا بھی تانیثیت کے زمرے میں مطالعہ کیا جائے گا۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر حمیرا اشفاق کی صرف ان کتابوں

کو پڑھا جائے گا جو تانیثیت کے ضمن میں لکھی گئی ہیں، وقت کی اہمیت کو گردانتے ہوئے خود کو ان کتب تک محدود رکھے گا۔ تانیثیت کے زمرے میں ان کی لکھی جانے والی کتابوں کے نام درج ذیل ہیں۔

افسانوی مجموعہ "کتبوں کے درمیان"، ناول "می سوزم" اس کے علاوہ دیگر کتب میں رسالہ عصمت، نثر رشید جہاں، مجموعہ محمدی بیگم کو تانیثی تناظر میں پڑھا جائے گا۔ مقالہ نگار خود کو تانیثی رجحان کا پابند رکھتے ہوئے ان کتابوں سے استفادہ کرے گا۔ اس کے علاوہ اس تحقیق کی تحدید میں ڈاکٹر حمیرا اشفاق اور ان کے ساتھیوں کا انٹرویو بھی شامل ہو گا۔

9۔ پس منظری مطالعہ (Literature Review)

جن کتابوں کا مطالعہ کیا گیا ہے ان میں وہ تانیثیت، اس کا آغاز اور اس کی اقسام کے متعلق رہنمائی فراہم کرتی ہیں۔ جن میں درج ذیل کتب شامل ہیں۔

i. "تانیثیت اور ادب"، اس کے مرتب کا نام انور پاشا ہے۔ یہ کتاب تانیثیت پر خاطر خواہ بحث کرتی ہے۔ اس کتاب کا پہلا حصہ تانیثیت کے بنیادی مباحث کی طرف مختلف مصنفوں کی آراء سے آگاہ کرتا ہے جبکہ دوسرے حصے میں اردو ادب میں نسائی شعور کو اجاگر کیا گیا ہے۔

ii. "اردو میں نسائی ادب کا منظر نامہ" یہ کتاب جسے علی گڑھ یونیورسٹی کے قیصر جہاں نے مرتب کیا۔ یہ کتاب اٹھارہ ابواب پر مشتمل کتاب ہے۔

iii. تانیثیت اور اردو ادب یہ کتاب 2018 میں شائع ہوئی۔ یہ کتاب سیما صغیر نے لکھی، یہ کتاب اردو غیر افسانوی ادب میں تانیثی شعور کے متعلق ہے اور خواتین کے مسائل کی بہت عمدہ نشاندہی کرتی ہے۔

iv. اس کے علاوہ پڑھے جانے والے آرٹیکلز میں درج ذیل آرٹیکلز شامل ہیں کشور ناہید کی نثر میں تانیثی شعور "اکیسویں صدی کے تناظر میں (ڈاکٹر گلشن طارق، ڈین لینگوئجز، گیریزن یونیورسٹی، لاہور)

v. "تانیثیت اور اردو ادب، روایت، مسائل اور امکانات"، (محمد سلیم علیگ)

vi. "تانیثیت اور پاکستانی شاعرات"۔ نسرین ملک

vii. "اردو فکشن میں تانیثیت کی منفرد آواز": عصمت چغتائی

تانیثیت کے ضمرے میں کیے جانے والے اس مطالعے کے تحت حمیرا اشفاق کی نثر کا مطالعہ کیا جائے گا اور ان کی نثر میں ان کے نظریہ تانیثیت سے آگہی حاصل کرتے ہوئے محقق تحقیقی کام سرانجام دے گا۔

10۔ تحقیق کی اہمیت (Significance of the Study)

ڈاکٹر حمیرا اشفاق اردو ادب میں ایک نمایاں نام ہیں۔ انھوں نے اپنی تصانیف اور تالیفات کے ذریعے اردو ادب میں گراں قدر اضافے کیے ہیں، لیکن اس کے باوجود حمیرا اشفاق پر کوئی تحقیقی کام منظر عام پر نہیں آیا۔ تانیثیت کے حوالے سے کی جانے والی یہ تحقیق اردو ادب میں اہم اضافے کا سبب بنے گی اور حمیرا اشفاق کے پنہاں تانیثی رجحانات کو سامنے لائے گی۔

(ب) موضوع تحقیق کا تعارف اور بنیادی مباحث

1۔ تانیثیت کیا ہے؟

آدم اور ہوا سے شروع ہونے والے اور آج تک قائم اس معاشرے کی اس ترتیب کو تسلسل سے دیکھنے سے یہ بات ظاہر ہے کہ معاشرے کی بنیاد مرد اور عورت پر قائم ہے۔ مرد اور عورت کی بدولت ہی معاشرہ پھلتا پھولتا اور ترقی کرتا ہے۔ مرد اور عورت کی اس اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔ لیکن اگر معاشرے کا مطالعہ کیا جائے تو یہ ناانصافی دیکھنے کو ملتی ہے کہ عورت کے کردار کو نہ صرف نظر انداز کیا گیا۔ بلکہ نفی کر کے عورت کی تذلیل بھی کی گئی ہے۔ مرد کے اس معاشرے میں عورت کی حیثیت محض کٹھ پتلی یا روبوٹ کی ہے جو صرف مرد کے مطابق سنے، بولے اٹھے اور بیٹھے۔ اس کی اپنی سوچ سمجھ اور خواہش ہے ہی نہیں۔ یوں مرد کا معاشرہ مرد سے شروع ہو کر مرد پر ہی ختم ہو جاتا تھا۔ اس میں مغرب یا مشرق کی کوئی تخصیص نہیں۔ حتیٰ کہ کہیں کہیں آج بھی مرد کی برتری اسی بان سے قائم و دائم ہے۔ اس جنسی امتیاز کے خلاف احتجاج تانیثیت کہلایا۔

فیمنزم یا تانیثیت کیا ہے؟ اس سوال کے حقیقی جواب کے لیے ہمیں دنیا کے مختلف معاشروں کے تہذیبی، تاریخی اور تمدنی پہلوؤں کو سمجھنا ہو گا کیونکہ فیمنزم ہر معاشرے کے سماجی مسائل، معاشرتی ضرورت اور ان کے مزاج کے مطابق تشکیل پاتا ہے۔ جس میں خواتین کی اپنی تعلیمی حیثیت، طبقہ اور ماحول خاص طور پر اہمیت کے حامل ہیں۔ ان باتوں کی بنیاد پر خواتین اپنی کوشش سے مردانہ حاکمیت کو سمجھنے اور ان کے ساتھ ساتھ چلنے کی کوشش کرتی ہیں تاکہ ایک مساوی اور پرامن معاشرہ وجود میں آسکے۔

دیو انداسر کے مطابق:

> "تانیثیت ایک اصطلاح ہے جس کے مخصوص معنی کا تعین نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ایک غیر معینہ کثیر جہتی تصور ہے جس میں مختلف قسم کے مسائل اور رویے شامل ہیں"۔(1)

عورت اور مرد کی مثال زندگی میں گاڑی کے دو پہئیوں کی طرح ہے۔ انسانی تہذیب کی نشو نما میں جو کردار مرد کا ہے اس سے کہیں زیادہ عورت کا رہا ہے۔ لیکن بد قسمتی سے عورت کے کردار کو کبھی بھی اہمیت کے حامل سمجھا نہیں گیا ۔اس پدرانہ معاشرے میں عورت کی پہچان ،صنف نازک، مغلوب و تابعدار صنف، مجہول، کمزور ناقص العقل یا کم عقل اور کم فہم کی بن گئی۔ حتیٰ کہ گالیاں عورت سے ہی منسوب ہیں۔ یہی حال ماضی کا بھی ہے بلکہ اگر ماضی کو ٹٹولیں تو عورت کے صرف دو ہی روپ ہیں شریف اور فاحشہ، اگر وہ مغلوب و تابعدار ہے تو شریف نہیں تو بد کردار۔ اس لیے تو تاریخ میں عورت کا وجود ہی نہیں ہے اور جو ہے وہ مرد کے معیار کے مطابق ہے۔

ولف گینگ لیڈر نے کہا تھا کہ اکثر عورتیں اپنے آپ کو مار کر آرٹ میں ڈھال لیتی ہیں، تا کہ مرد اس کے فن کے قائل ہو جائیں۔ اسی لیے ورجینا وولف نے کہا تھا کہ " اس سے پہلے ہم "عورتیں " لکھنا شروع کریں، یہ ضروری ہے کہ فرشتہ صفت شخص (یعنی عورت کا وہ روپ جو اسے مرد نے جبراً دیا ہے) ختم کر دیں۔

ماں ،بیوی، بیٹی، بہن، بیوہ، طوائف غرض ہر کردار اس کی خوبیاں اور اس کے دائرہ کار مرد کے ہی تشکیل کردہ ہیں۔ پھر اسی مرد کی مرتبہ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ عورت کو کبھی تاج و تخت کے لیے تو کبھی دشمنی کو دوستی میں بدلنے کے لیے اور کبھی شکست کی صورت میں عورت کو آبرو تصور کر کے اس کی حفاظت کے لیے عورتوں کو قتل یا زندہ جلا دینا یا پھر فاتح افواج نے اپنی مردانگی کا ثبوت مفتوح عورتوں کی عصمت دری کے ذریعے دیا۔ غرض عورت قربانی کا نام تھا۔ جس کی قربانی مرد کے مفادات کے لیے دی گئی اس کے بعد عورت کا کردار ختم ہو جاتا ہے۔

> " تانیثیت ایک ایسی اصطلاح ہے جس کا مطلب ہر ایک کی نگاہ میں مختلف ہے۔ لیکن میری نظر میں تانیثیت یعنی فیمنزم یہ ہے کہ عورت کی فطرت کو مکمل طور پر پہچانیں اور اس کی شخصیت ذات کے کسی بھی پہلو کو ختم کرنے کی کوشش نہ کریں، اسے ایک کامل انسان سمجھیں، اس کی عقل و دانش سے انکار نہ کریں، اسے فیصلہ سازی کے اختیارات دیں۔" (2)

نیلم حسین اشفاق احمد کے ڈراموں میں بری / اچھی عورت کی عکاسی کا جائزہ لیتے ہوئے کہتی ہیں کہ ایک اچھی اور نیک عورت کی کوئی پہچان نہیں ہوتی۔ وہ مندرجہ ذیل کرداروں میں رونما ہوتی ہے۔

اچھی عورت کی خصوصیات :ماں، بہن، بیوی، بیٹی اور بیوہ، ان کرداروں میں عورتیں فرمابردار، پیار سے بھرپور، شرمیلی اور انکساری سے بھرپور ہوتی ہیں۔ جن میں قربانی کا جذبہ سرشار رہتا ہے۔اس کے علاوہ دیگر رشتوں میں بہو، ساس، نند، دادی / نانی، پھوپھو اور خالہ وغیرہ۔

1۔بری عورت کی خصوصیات:عورتوں کے مرکزی کرداروں کو دو بنیادی خانوں میں ڈالا جاسکتا ہے یعنی "نیک" یا پھر "بد" ایثار و قربانی کا جذبہ، اپنی ذات کی نفی کرنا، پاکیزگی، گھریلو، مذہبی، روایتی، دوسروں پر دارومدار، جذباتی، عقل سے قاصر، ایمانداری ،بد کردار عورت میں ملازم پیشہ ماں اور معاشرے کی شوخ لڑکی، انا سے بھرپور عورتیں۔

پاکستان میں دیہاتوں کے اندر تمام امور پر مردوں کا اختیار ہے۔ عورت اپنی ساری زندگی مرد کی بالا دستی میں گزار دیتی ہے۔ جدید زمانے کی عورت کو اس کے پیسے / اسکی کمائی کا طعنہ دیا جاتا ہے۔ موجودہ دور میں طلاق بھی ایک اہم مسئلے کی صورت میں سامنے آرہا ہے۔ دیہاتوں کی نسبت شہروں میں شادی شدہ زندگی کے مسائل زیادہ ہیں۔ شہروں میں معمولی سی بات پر طلاق دے دینا ایک عام سی بات ہے۔ جہیز کے نام پر طعنے دینا، مار پیٹ، مار دینا یا جلا دینا یا طلاق دے دینا بھی اسی معاشرے کا حصہ ہے۔

> "پاکستان میں فیمنزم (تانیثیت) کا مقصد بنیادی حقوق کے لیے جدوجہد کرنا ہے۔ جس میں عورت ایک انسان کے طور پر جینا چاہتی ہے۔ وہ چاہتی ہے کہ وہ اپنی مرض سے تعلیم حاصل کرسکے، اسے بھی ملازمت کے مواقع مل سکے اور وہ شادی کا حق چاہتی ہے۔ یہ بات بھی عورت پر منحصر ہے کہ وہ کب اور کتنے بچے پیدا کرنا چاہتی ہے۔" (3)

2۔ تانیثیت کی اقسام:

تانیثیت کیا ہے، اس کا آغاز کیسے ہوا؟ انگریزی اور اردو ادب پر اس نے کیا اثرات مرتب کیے یہ جاننے کے لیے تانیثیت کی مختلف اقسام کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔ تانیثیت کی درج ذیل اقسام ہیں۔

1-آزاد خیال تانیثیت(Liberal Feminism)

2-بنیاد پرست تانیثیت(Radical Feminism)

3۔ ہم جنس پرست تانیثیت(Homosexuality Feminism)

4-ثقافتی تانیثیت۔(Cultural Feminism)

5 سوشلسٹ تانیثیت(Marxist and socialist feminism)

6-ایکو تانیثیت۔(Eco Feminism)

7۔ سیاہ فیمن ازم(Black Feminism)

8۔ دوہری جنسی تانیثیت(Transgender Feminism)

1-آزاد خیال تانیثیت(Liberal Feminism):

آزاد خیال تانیثیت جسے انگریزی میں " مین اسٹریم فیمینزم" کہا جاتا ہے، اسے عام طور پر موجودہ سماجی ڈھانچے پر لاگو قانونی اور سیاسی اصلاحات کے ذریعے خواتین کے حقوق اور سماجی انصاف کے حصول پر مرکوز ہے۔ مرکزی دھارے میں شامل، لبرل حقوق نسواں اسقاط حمل کے حقوق، جنسی طور پر ہراساں کرنے، بچوں کی نگہداشت، تولیدی حقوق، اور گھریلو تشدد پر توجہ مرکوز کرتے ہیں۔

یہ لبرل تانیثیت انقلاب اور بنیادی تبدیلی کی نفی کرتی ہے۔اس سے تعلق رکھنے والے علمبرداروں کا مقصد پدر سری نظام پر کوئی ضرب لگا کر اسے توڑ دینا نہیں ہے۔بلکہ اعلیٰ اقدار کو اپنا کر ترقی کی راہ پر چلنا ہے۔اردو ادب کی بیشتر تحریریں اسی تحریک کی نمائندہ ہیں۔سیاسی میدان میں جہاں محمد علی جناح اور جواہر لال نہرو، عورتوں کی ہر پیشے میں تعلیم پر زور دیتے ہوئے ایک روشن خیال تانیثیت کے نمائندہ نظر آتے ہیں۔

"آزاد خیال تانیثیت "تانیثیت کی ایک قسم ہے جو ہمارے معاشرے میں ریڑھ کی ہڈی کا کام کرتی ہے۔ لبرل فیمنسٹ برابری چاہتے ہیں، اور وہ اسے سماجی سیاسی اور قانونی اصلاحات کے ذریعے یقینی بنانے کے لیے کام کرتے ہیں۔اس لیے وہ سمجھتے ہیں کہ ہماری ثقافت کو بدلنا چاہیے۔(4)

2۔بنیاد پرست تانیثیت(Radical Feminism) :

بنیاد پرست تانیثیت کا مقصد حقوق نسواں کا خیال رکھنا ہے چونکہ معاشرہ مردوں کے تجربے کو ترجیح دیتا ہے اور یہ کہ جدید زندگی کے ہر پہلو میں صنفی کردار اب تک جڑے ہوئے ہیں کہ حقیقی مساوات صرف موجودہ معاشرتی نظام کی مکمل تبدیلی کے ساتھ ہی حاصل کی جاسکتی ہے۔

بنیاد پسند تانیثیت کا نظریہ رکھنے والے لوگ مانتے ہیں کہ جنس کا تصور مکمل ہونا چاہیے تاکہ چیزیں مساوی ہو سکیں۔ تبدیلی کی خواہشیں، ان کی کچھ خواہشیں سیدھی، کچھ عمومی، اور بنیاد پرست ہیں۔ مثال کے طور پر کچھ چاہتے ہیں کہ ایسی جدت اختیار کی جائے جس میں انسان کو پرورش کے لیے انسانی جسم کی ضرورت نہ پڑے۔ ٹیکنالوجی تیار کی جائے تاکہ انسانی جنین کو ماں کے جسم کے اندر بڑھنے کی ضرورت نہ پڑے۔ ان کے خیال میں اس سے برابری کو فروغ ملے گا۔ لیکن حالیہ برسوں میں، تحریک آہستہ آہستہ ختم ہوتی جارہی ہے۔

4۔ہم جنس پرست تانیثیت(Homosexuality Feminism):

یہ تانیثیت کی وہ شکل ہے جو بنیاد پرست تانیثیت کو فروغ دیتی ہے۔اس کا تعلق نسلی ہم جنس پرستی سے جڑا ہوا ہے۔ اس نظریے سے تعلق رکھنے والے لوگوں کا خیال ہے کہ عورت اور مرد کے درمیان جنسی فرق کی وجہ سے ہمارے اقتدار کے مسائل آسانی سے حل نہیں ہوتے۔ وہ یہ نہیں سوچتے کہ مرد بھی فیمنسٹ ہو سکتے ہیں۔

درحقیقت، اس عقیدے کے ماننے والی خواتین کا نظریہ ہے کہ خواتین کو لفظی طور پر خود کو مردوں سے الگ کر کے اپنا معاشرہ شروع کرنا چاہیے۔

5۔ثقافتی تانیثیت۔(Cultural feminism) :

ثقافتی تانیثیت سے مراد علیحدگی پسند خیال ہے کہ خواتین میں فطری طور پر ایک ارتقائی جوہر موجود ہے، جو انھیں مردوں سے ممتاز کرتا ہے، اور انھیں سماجی فوائد فراہم کرتا ہے کہ ثقافت تاریخی طور پر کمزوریوں کے طور پر قابلیت رکھتی ہے۔ ثقافتی تانیثی ماہرین کا خیال ہے کہ عورت کے نقطہ نظر کو زیادہ اعتبار حاصل ہونا چاہئے۔ ناقدین کا استدلال ہے کہ ثقافتی حقوق نسواں معاشرے کی صنفی بائنری کے "ضروری" اصولوں پر بہت زیادہ انحصار کرتی ہے۔

ثقافتی حقوق تانیثیت کی تحریک کا خیال ہے کہ ہمیں مردانگی کی نہیں، حقوق نسواں کی حوصلہ افزائی اور فروغ دینا چاہیے۔ ان کا کہنا ہے کہ خواتین قدرتی طور پر مردوں سے زیادہ مہربان اور محبت کرنے والی ہوتی ہیں۔ ان کا مطابق اگر عورتوں کے پاس مردوں کے مقابلے زیادہ سماجی طاقت ہوگی تو دنیا میں کم جنگیں ہوں گی۔

5۔سوشلسٹ تانیثیت(Marxist and socialist feminism):

مارکسزم سوشلسٹ فیمنسٹوں کے لیے براہ راست اثرات میں سے ایک ہے، جو دلیل دیتے ہیں کہ سرمایہ داری کو واضح طور پر پدرانہ نظام کو فائدہ پہنچانے اور خواتین کی ماتحتی کی فروغ دینے کے لیے بنایا گیا تھا۔ سوشلسٹ ومارکسسٹ فیمنزم سکھاتا ہے کہ صنفی مساوات کے حصول میں سرمایہ دارانہ معاشی نظام کو ختم کرنا شامل ہوگا جو خواتین کی محنت کا استحصال کرتے ہیں اور ان کی قدر کم کرتے ہیں۔

معاشرتی فیمنسٹ یہ نہیں سوچتے ہیں کہ مردانہ تسلط، صنفی عدم مساوات کا واحد یا بنیادی ذریعہ ہے۔ اس قسم کے نظریات کے حامل لوگوں کا خیال ہے کہ خواتین مردوں پر منحصر ہیں۔ اس قسم کے تانیثی پرستوں کا بھی ماننا ہے کہ مرد ہمارے معاشرے کے کاروباری پہلو پر قابض ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ مرد اور عورت کے درمیان صنفی مساوات قائم ہو سکے۔

6۔ایکو تانیثیت(Ecofeminism):

خواتین اور ماحول دونوں کے تاریخی اور موجودہ دور کے جبر کو ہم آہنگ کرتی ہے، یہ استدلال کرتی ہے کہ پدرانہ معاشروں نے کرہ ارض کے وسائل پر غلبہ حاصل کرنے کے لیے وہی طریقے استعمال کیے ہیں جیسا کہ انھیں خواتین کو کنٹرول کرنا ہے۔(Ecofeminist) کا خیال ہے کہ صحت مند سیارے کا احترام اور ترجیح دینا حقیقی مساوات کے حصول کے لیے لازمی ہے۔

ماحولیاتی تانیثیت پسند ایک ایسی تحریک ہے جس کا تعلق سیاست اور معاشرت سے ہے۔اس تحریک کا تعلق ماحولیات اور حقوق نسواں کو جوڑنے کی کوشش کرتی ہے۔ماحولیاتی حقوق عورت کے نظریات میں ایک دوسرے کے ساتھ ہم آہنگی شامل ہے۔ جس طرح فطرت میں تناسب ہے اگر انسانوں کو تنہا چھوڑ دیا جائے تو وہ سمجھتے ہیں کہ لوگوں میں بھی تناسب پیدا ہو سکے گا۔ اس قسم کی تانیثی نوعیت فطرت میں زیادہ باطنی ہے۔

7۔سیاہ فیمن ازم(Black feminism):

سیاہ تانیثیت: ایک فلسفہ ہے جو سیاہ فام خواتین کی حالت کے گرد مرکوز ہے، جو نسل اور جنس دونوں کی بنیاد پر جبر کا سامنا کرتی ہیں پدرانہ، سفید غلبہ، سرمایہ دارانہ مغربی معاشرے میں۔ پہلی اور دوسری حقوق نسواں کی لہروں اور ابتدائی سیاہ فام مردوں کے زیر تسلط آزادی کی تحریکوں سے بڑی حد تک نظر انداز کیے گئے، سیاہ فام خواتین نے اپنی روزمرہ کی زندگیوں کو متاثر کرنے والے منفرد جبر اور امتیاز پر بات کرنے کے لیے اپنی جگہ بنائی۔ نیشنل بلیک فیمنسٹ آرگنائزیشن (این بی ایف او) 1973 میں یہ طے ہوا کہ مرکزی دھارے کے شہری حقوق کے گروپوں کے مطالبات خود مختار انسانوں کے طور پر ان کے حقوق کو زیر نہیں کریں گے۔

حقوق نسواں کے ماحولیاتی حقوق کم و بیش ایک سیاسی اور سماجی تحریک ہے۔خواتین کے ماحولیاتی حقوق کے تصورات ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہیں۔ جس طرح فطرت ہم آہنگی میں ہے۔

اس قسم کی تانیثیت فطرت میں زیادہ روحانی ہے، اور دوسروں کے مقابلے میں کم اقتصادی ہے۔اس کا خیال ہے کہ خاندانی رویوں اور اعمال نے طویل مدتی نتائج کے بارے میں سوچے بغیر زمین کو برباد کر دیا ہے۔ وہ دیوی، مدر ارتھ کی بھی "پوجا" کر سکتے ہیں۔

مادرسری اور پدرسری نظام:(Matriarchy and Patriarchy)

آج ہم عورت کو جس بے بسی اور بے کسی کے عالم میں دیکھتے ہیں اور جو معاشرے میں مرد کے تعصبات کا شکار ہے، وہ روایت کی زنجیروں میں اس قدر بندھی ہوئی ہے کہ یہ زنجیریں آہستہ آہستہ ٹوٹ رہی ہیں۔ عورت تاریخ میں اس دور کو یاد کر رہی ہے جب معاشرے میں مادرسری نظام تھا۔

لاکھوں سال تک بنی نوع انسان صرف شکار پر ہی گزر اوقات کرتے رہے۔ یہی وہ دور تھا جب انسانوں کے گروہ شکار کے پیچھے پیچھے سفر کرتے ہوئے دنیا کے مختلف علاقوں میں پھیل گئے۔ ان دنوں بودو باش کا نظام کچھ اس طرح ہوتا کہ مردوں کے گروہ شکار کی تلاش میں دور دور تک پھرا کرتے، جبکہ عورتیں، بچے اور بوڑھے، ڈیرہ یا کیمپ میں قیام کرتے، دن بھر عورتیں چھوٹے بچوں کو ساتھ لٹکائے، کیمپ کے آس پاس جنگلی پھل، جڑی بوٹیاں، مختلف قسم کی بیریاں اور شہد وغیرہ تلاش کرتی رہتی تھیں اور ان اشیا کو شکار نہ ملنے کی صورت میں خوراک کے طور پر کام میں لایا جاتا۔

اس دور میں کیونکہ ڈیرہ، اور اس کا انتظام، بچے اور ان کی پرورش اور بوڑھوں کی نگہداشت کی تمام ذمہ داری عورتوں پر ہی ہوتی تھی، اس لیے ڈیرہ یا کیمپ کے متعلق تمام فیصلے عورتیں ہی کیا کرتی تھیں اس طرح یہ مادر سری معاشرہ تھا اور ڈیرے کے طے شدہ اصولوں اور قوانین کی خلاف ورزی پر مردوں کو کبھی ان جرائم کے ارتکاب پر ڈیرہ سے نکال بھی دیا جاتا تھا۔

خاندان سازی کے لیے جوڑے بناتے وقت عورت کی رائے اور مرضی کو ترجیح حاصل ہوتی تھی ۔ لیکن مادر سری نظام میں عورت کی حیثیت آقا یا مالک کی نہیں تھی اور یہ نظام چونکہ مضبوط روایات پر بھی نہیں تھا اس لیے یہ جلد ہی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو گیا۔

اس تاریخی عمل نے آہستہ آہستہ پدرسری کے نظام کو اُبھارا اور اس نے مساوات کی جگہ عدم مساوات کے اصول پر مرد کی برتری کو قائم کرکے عورت کو اس کے ماتحت کر دیا۔

مادر سری نظام کا اثر مذہبی اکائی پر بھی ہوا، لہٰذا اس کے زیراثر دیویوں کی پوجا شروع ہوئی۔خیال کیا جاتا ہے کہ وادی سندھ کی تہذیب میں مادر سری نظام تھا جس کی وجہ سے دیویوں کی مورتیاں ملی ہیں۔ایک ہزار پانچ سو قبل مسیح میں جب آریہ ہندوستان میں آئے تو یہ اپنے ساتھ مرد دیوتا لائے، لیکن یہاں آباد ہونے کے بعد انھوں نے وادی سندھ کی قدیم دیویوں کو اپنے مذہب میں شامل کر لیا۔اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ پدرسری نظام میں مادر سری کی روایات کو یکسر ختم نہیں کیا، بلکہ انھیں اپنا کر اپنے کلچر کا حصہ بنا لیا۔

اس وقت بہت سی عورتوں کی تحریکیں اور فیمینزم کی تھیوری کے تحت اپنے کردار کو تلاش کر رہی ہیں اور مادر سری نظام کی یادیں تازہ کرکے اپنے گمشدہ مقام کو دوبارہ سے حاصل کرنے کی جستجو میں ہیں۔

تانیثیت کی روایت:(History of Feminism)

تانیثیت کی تحریک کی بنیاد نصف انسانی آبادی کے شعور اور شناخت کے تعین کا سوال ہے۔ یہ خود شناسی کی جستجو اور اپنی شناخت ثابت کرنے کی کوشش ہے۔ تحریک نسواں یا تانیثیت اور اس کا ہر مطالبہ اس احساس سے چلتا ہے کہ عورت بھی روح اور جسم دونوں کا مجموعہ ہے۔ اس کی روح فانی نہیں ہے۔ اس کا وجود اندر سے خالی نہیں۔ یہ صرف جسم نہیں ہے۔ اس صورت میں اسے اپنے دل، دماغ اور فکری خوبیوں کی نشوونما اور نشوونما کا موقع بھی ملنا چاہیے۔ اسے اپنے دماغ اور روح کی بہتری کے لیے کوشش کرنے کا بھی حق ہے۔ وہ زندگی کی بقا اور ارتقاء میں شامل ہونے کا دعویٰ بھی کرتی ہے۔ وہ ایک کامل انسان ہے، نہ کہ صرف ایک سایہ

اللہ تعالی نے دنیا میں مخلوقات کو جوڑوں کی شکل میں پیدا کیا ہے لیکن انسان کے علاوہ کسی بھی انواع اور جاندار میں ان جوڑوں میں ایسا فرق نہیں ہے جتنا کہ انسان نے معاشرتی زندگی گزارنے کے اصول وضوابط طے کر کے قائم کیا ہے۔ اس فرق کی بنیاد کیا ہے؟ اُس کی تاریخ، اسباب، وجوہات کیا ہیں؟ فلسفے کی نظر سے مرد اور عورت میں فرق کرنے کا کیا مطلب ہے؟ ارسطو نے روح اور مادے یا شکل اور مادے کی تعریف کرتے ہوئے عورت کو

مادہ اور مرد کو روح سے متعلق قرار دیا ہے۔ اس کا خیال تھا کہ عورت صرف پیدائشی عیب کی وجہ سے مادی سطح تک پہنچ سکتی ہے اور روحانی بلندی حاصل کرنے کے قابل نہیں ہے۔

اس کا خیال تھا کہ عورت صرف پیدائشی خرابی کی وجہ سے مادی سطح تک پہنچ سکتی ہے اور روحانی منزل حاصل کرنے کے قابل نہیں ہے۔ اگرچہ انسان مادّہ اور روح دونوں کا مرکب ہے، لیکن مادہ پر روح کو یقینی طور پر بالادستی حاصل ہے۔ یہ سماجی سطح پر مرد کی برتری ثابت کرنے کی راہ ہے، اسی بنیاد پر، فلسفیانہ سطح پر عورت کو ذہنی اور فکری طور پر کمتر سمجھا جاتا ہے۔
مورخین اور ثقافتی نقاد اکثر حقوق نسواں کی تاریخ کو متواتر "لہروں" کی ایک سیریز میں تقسیم کرتے ہیں، جو مختلف توجہ اور ترقی کی متواتر لہر کی تبدیلیوں کی عکاسی کرتی ہے۔ یہاں حقوق تانیثیت کی تاریخ کا ایک مختصر جائزہ ہے:

خواتین تعلیم کے قابل ہیں، لیکن انھیں ایسی سرگرمیوں کے لیے نہیں بنایا گیا جو ایک عالمگیر فیکلٹی جیسے کہ زیادہ جدید علوم، فلسفہ اور فنکارانہ پیداوار کی مخصوص شکلوں کا تقاضا کرتی ہیں۔ خواتین اپنے اعمال کو آفاقیت کے تقاضوں سے نہیں بلکہ من مانی رجحانات اور آراء سے منظم کرتی ہیں۔

1405 میں یعنی پندرھویں صدی کے آغاز میں روشن خیالی کے دور کی مشہور فرانسیسی مصنفہ کرسٹین ڈی پیزان نے "The book of the cities of ladies" لکھی، جس میں بد انتظامی، خواتین کے لیے تعلیم کی کمی اور خواتین کے جبر پر روشنی ڈالی گئی۔ 1792 میں، پروٹو فیمنسٹ میری وول سٹون کرافٹ نے اپنا پہلا فیمنسٹ مقالہ "اے ونڈیکیشن آف دی رائٹس آف وومن" شائع کیا، جس میں اس نے موجودہ معاشرے میں خواتین کے موقف پر بحث کی۔ اس نے خواتین کو متاثر کرنے والے سماجی مسائل کی ایک سیریز کا مطالعہ کیا، جیسا کہ تعلیم، یہ دلیل دی کہ انھیں وہی تجربات حاصل کرنے کی اجازت دی جانی چاہیے جو مردوں کو حاصل ہے (ماں اور نگہبان ہونے کے علاوہ)۔

پہلی لہر: 1885–1910 کی پہلی لہر کی تحریک نسواں میں شامل افراد نے صنفی عدم مساوات کو کم کرنے کے لیے آئینی اور سماجی تبدیلی کی وکالت کی۔ پہلی لہر کے حقوق نسواں نے خواتین کو ووٹ کا حق، تعلیم کا حق، جائیداد رکھنے کا حق، اور قانونی طور پر ان کی جائیداد کی بجائے اپنے شوہروں سے آزاد رعایا مانا جانے کا حق حاصل

کرنے پر توجہ مرکوز کی۔ 1920 میں، کانگریس نے انیسویں ترمیم منظور کی، جس میں خواتین کو ان کے حقوق کا استعمال جیسے (Vote casting) جیسے حقوق سے نوازا گیا۔

دوسری لہر: دوسری لہر فیمنزم، جو تقریباً 1960 کی دہائی سے 1980 کی دہائی تک ہے، اس میں پچھلے نظریات کو پھیلانا اور پہلی لہر کی حقوق نسواں کی فتوحات شامل ہیں۔ یہ فقرہ نیویارک ٹائمز میگزین میں صحافی مارتھا وین مین لیئر کے تصنیف کردہ ایک مضمون میں مقبول گفتگو میں داخل ہوا جس کا عنوان تھا "دی سیکنڈ فیمینسٹ ویو: یہ خواتین کیا چاہتی ہیں؟" حقوق نسواں کی دوسری لہر نے تاریخی طور پر پدرانہ نظام کے کام کی جگہ، گھر اور عوامی حلقوں میں مساوی مواقع کے لیے زور دیا۔ خواتین کی تحریک کا یہ دور خواتین کے بالواسطہ اور براہ راست دونوں طرح کے جبر پر مرکوز تھا۔

اس دور کی دو بنیادی حقوق نسواں کی تحریریں بیٹی فریڈن کی دی فیمینائن میسٹک اور سیمون ڈی بوائر کی دی سیکنڈ سیکس تھیں۔ Betty Friedan کی 1963 کی بیسٹ سیلر The Feminine Mystique نے بہت سی خواتین کے سماجی کرداروں کی وجہ سے ان کی زندگی کی تکمیل کی کمی کو دریافت کیا۔ جب کہ امریکی خواتین نے طویل عرصے سے دانشور حلقوں میں ان خیالات پر بحث کی تھی، فریڈن کی کتاب نے انھیں بے مثال مقبولیت بخشی، گھریلو خواتین نے متن کو پڑھا اور اس پر بحث کی۔ 1949 میں، سیمون ڈی بوائر نے دی سیکنڈ سیکس شائع کیا، جو ایک بنیادی حقوق نسواں کا متن بن گیا۔ کتاب میں دیکھا گیا ہے کہ کس طرح خواتین نے جبر اور تعصب کی واضح اور مضمر شکلوں کا مقابلہ کیا۔

شمولیت اور تیسری لہر:

1990 کی دہائی کے وسط میں تیسری لہر فیمنزم کا عروج دیکھا گیا۔ خواتین نے انفرادیت اور خود مختاری کو اپنانا شروع کیا جو انھیں سابقہ شہری حقوق اور خواتین کی آزادی کی تحریکوں کے ذریعے فراہم کی گئی تھی۔ تحریک کے اس دور نے اپنے افق کو مزید جامع بنا دیا۔ 1989 میں، صنفی اور تنقیدی نسل کے اسکالر Kimberlé Crenshaw نے طبقے، صنفی شناخت، جنسی رجحان اور نسل جیسے آبادیات کے درمیان تعلق کی وضاحت کرنے کے لیے "Intersectionality" کا فقرہ وضع کیا۔

جدید حقوق نسواں کے مباحثوں میں انٹر سیکشنلٹی ایک لازمی عنصر بن گیا، اس بات کا حوالہ دیتے ہوئے کہ کس طرح مختلف سماجی شناختوں کے درمیان عدم مساوات اور امتیاز ایک دوسرے کو اوور لیپ اور

بڑھا سکتے ہیں، مختلف گروہوں کے لیے تجربات اور حالات کے منفرد سیٹ تخلیق کرتے ہیں۔ ٹرانس فیمینزم بھی ابھرا، جس نے صنفی مساوات کے چرچے میں ٹرانس خواتین کے مقام کو تلاش کیا۔ مابعد جدید حقوق نسواں اور ایکو فیمنزم نے بھی جنم لیا اور حقوق نسواں کی بحث کو مزید متنوع بنایا۔

چوتھی لہر میں بااختیار بنانا:

چوتھی لہر 2010 کے قریب شروع ہوئی اور اس کا مقصد خواتین کے حقوق اور صنفی مساوات کی مکمل شمولیت کو حاصل کرنا ہے۔ یہ لہر مساوی تنخواہ، جنسی تشدد، پسماندہ گروہوں کی زیادہ نمائندگی (جیسے معذور کمیونٹی)، اور جسمانی مثبتیت پر مرکوز ہے۔ اس وقت سے حقوق نسواں کی تنقید یہ بھی دریافت کرتی ہے کہ کس طرح سرمایہ داری منافع کے لیے اشتہارات اور میڈیا میں جدید "خواتین کو بااختیار بنانے" کا استحصال کر سکتی ہے۔

MeToo اور اس سے آگے: انٹرنیٹ نے نسل پرستی، جنسی ہراسانی، اور #MeToo موومنٹ جیسی وائرل مہمات کے ساتھ بنائے گئے جابرانہ نظام کے بارے میں بات چیت کو گلوبلائز کیا، جو حالیہ تاریخ کی بڑی تحریک ہے، جس نے کام کی جگہ پر زہریلے جنسی پرستی اور دھمکیوں پر روشنی ڈالی۔

4۔ اردو ادب اور تانیثیت:

دنیا کے تمام حصوں میں ہر طرح کے طبقات چاہے وہ اونچے ہوں یا نچلے درجے سے ان کا تعلق ہو، ہر زبان نے ان طبقات سے تعلق رکھنے والوں کے حقوق کے احتجاج کے لیے اپنے قلم کو ہتھیار بنایا۔ اور لوگوں کے حقوق کے لیے صدا بلند کی۔ چونکہ ادب لکھنے والے لکھاریوں میں عموماً پڑھے لکھے افراد ہی شامل ہوتے ہیں یا وہ لوگ جن میں فہم و فراست بہت زیادہ ہو۔

مغرب میں خواتین ادیبوں نے بھی بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔ مثال کے طور پر مغرب میں ورجینیا وولف کی کتاب " A room of one's own" اور سیمون دی بوائر کی کتاب " The Second Sex" بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔

اردو ادب میں تانیثی رجحانات کا آغاز:

ہم نے اردو ادب میں تانیثیت کی اصطلاح کو عام عورت پر ڈھیلے فٹ کے معنی میں استعمال کرنے کی کوشش کی ہے اور اکثر خواتین کے بارے میں عام مفروضوں کی تلاش کو کہا ہے۔ حقوق نسواں کے نام پر عورتوں پر کی جانے والی تنقیدیں یا تو تانیثی منظر کشی کے مترادف ہیں اور خواتین کی تخلیق کردہ تحریر ایک مردانہ معاشرے کے مفروضوں کو تلاش کرنے کی کوشش کرتی ہے جسے مردوں نے خود قائم کیا ہے یا عورتوں سے منسوب صفات کی بنیاد پر۔

شاعر ہو یا کوئی ادیب وہ اپنے فن کے لیے سماج، اپنے ارد گرد کے ماحول، حالات اور مسائل پر لکھتا ہے۔ لیکن عورت نے اپنے ماضی پر غور کر کے اپنے مسائل کو بخوبی بیان کیا ہے اور اس نے ہر ممکن کوشش کی ہے کہ اپنے مسائل اور حالات کو بیان کر سکے۔

نسرین انجم بھٹی کے مطابق:

> "ایک مرد نے عورت کے بارے میں خوف سے لکھا ہے، جب کہ عورت نے جب بھی اس کے بارے میں لکھا ہے تو اس نے ایک مرد کے بارے میں لکھا ہے۔ وہ محبت سے پیدا ہوا اور اپنے رشتوں کی تہوں کے خون سے لکھا۔"(10)

تخلیقِ آدم کے بعد جب ہوا کو آدم کی تنہائی بانٹنے کے لیے بھیجا گیا، اس دن سے ہی مرد کی برتری کا قصہ شروع ہو گیا۔ عورت کو ایک ایسا کھلونا سمجھا جانے لگا جس کا مقصد صرف مرد کو تقویت پہنچانا ہے، عورت کی تخلیق چونکہ مرد کے بعد ہوئی ہے۔ اس لیے وہ کمتر اور محکوم ہے۔ عورت نے مرد کی ذات اور اس کی تکمیل کی خاطر اپنی شخصیت کو گم کر دیا، ہمارے معاشرے میں ایسی عورت قابلِ ستائش ہے جو اپنی ہستی کو مٹا کر اپنے خاندان اور شوہر کے لیے قربانی دے، یہی رویے ہمیں ادب میں بھی نظر آتے ہیں۔

تانیثیت یہ ہے کہ عورت دشمن رسومات، قبائل اور خاندانوں کی دشمنیوں اور رنجشوں میں عورت کو غیرت بننے سے روکنا ہو گا۔ محلے کی پنچائیت اور جرگے میں مردوں کے جرم میں عورت کو دان اور قیمت کے

طور پر دینے والی رسموں کو روکا جائے۔ بیٹی، بہن اور ماں کو غیرت کے ساتھ منسلک نہ کیا جائے، بلکہ انھیں انسان سمجھا جائے۔

اردو ادب کے مرد لکھاریوں کی بات کریں تو ان میں سب سے پہلا نام "ڈپٹی نذیر احمد" کا ہے جنھوں نے سب سے پہلے "مراۃ العروس" جیسے ناول کے ذریعے تانیثی فکر کو پروان چڑھایا۔ رتن ناتھ سرشار اور عبدالحلیم شرر نے بھی عورتوں کے حقوق کے متعلق بہت کچھ لکھا۔ ان مصنفوں کے بعد مرزا ہادی رسوا جیسے ناول نگار منظرِ عام پر آئے جنھوں نے طائفوں کی زندگی کو امراؤ جان ادا کے ذریعے بیان کیا۔ افسانہ نگاری میں سب سے اہم نام 1۔ غلام عباس، 2 پریم چند 3۔ منٹو اور کرشن چندر جیسے افسانہ نگاروں کا ہے۔ جنھوں نے خواتین کے معاشرتی اور سماجی پہلو کو اجاگر کیا۔

تانیثی شاعروں نے اپنی شاعری میں عورت کے برابری کے زور دیتے ہوئے اسے دوست کے ساتھ ساتھ رفیق بھی کہا اور آنچل کو جھنڈا بنانے کی ترغیب دی۔ اس کے حسن کے نام پر سلام تب بھی لکھا جائے گا، فطرت کے بہار کے گیت گائے جائیں گے، اسے پیکر حیات کہا جائے گا لیکن ساتھ ہی اسے بغاوت کا راگ بھی گایا جائے گا۔"

عورت کو بحیثیت انسان اردو کے کسی بھی ادیب نے دیکھا ہی نہیں۔ عورت جہاں بھی نظر آئی۔ وہ کسی اور حیثیت میں ملے گی۔۔ اس کا اپنا کوئی مقام نہیں ہے۔ عورت کو بحیثیت انسان اس کی تصویر پیش کرنے کا حوصلہ کسی میں بھی نہیں۔

خود کو مرد کے برابر کہنے والی عورت کے پاس قرآن پاک کے دلائل بھی موجود ہیں۔ قرآن پاک عورت اور مرد کو الگ الگ پکار کر ان کا تقابل اور موازنہ نہیں کرتا بلکہ دونوں کو انسان کہہ کر پکارتا ہے۔ یعنی خدا کی طرف سے قرآن میں عورت کے لیے سوائے خاص زنانہ معاملات کے، مرد سے الگ کوئی احکامات نہیں دیے گئے ہیں۔ تنگ نظری کی ہر بات دراصل علماء دین کی اپنی سوچ ہے۔ جس کو وہ اسلام سے جوڑتے ہیں اور سائنس اور تحقیق کو کفر قرار دیتے ہیں۔

ڈپٹی نذیر احمد کے ناولوں میں عورت بحیثیت عورت ہمیں کہیں نظر نہیں آتی، عورت بحیثیت ناظرہ اور ناصح سب سے پہلے نذیر احمد نے پیش کیا۔ عورت کو ناولوں میں بحیثیت معلمہ سب سے پہلے نذیر احمد ہی

لائے اور یہ سلسلہ جاری وساری رہا۔ الطاف حسین حالی نے پہلی مرتبہ "مجالس النساء" میں عورت اور مرد کی برابری کا تصور پیش کیا۔ وہ بنیادی فرق بھی تعلیم ہی کا بتاتے ہیں۔ پیرا گراف ملاحظہ ہو:

> ان کے یہاں لڑکیوں کو پڑھانے کا دستور قدیم سے چلا آتا ہے۔ وہی لڑکیاں جب بیاہی گئیں اور صاحبِ اولاد ہوئیں، انھوں نے اپنی اولاد کو تعلیم دینا شروع کی۔ یہی تو بات ہے کہ ان کے مرد اور عورت ایک سانچے میں ڈھلے ہیں۔" (5)

سرشار نے بھی عورت کو تعلیم کے پردے میں موضوع بحث بنایا۔ مگر ان کے ہاں فکر کی وہ قوت نہیں جو حالی کے ہاں نظر آتی ہے۔

عبدالحلیم شرر نے اپنے ناولوں میں جو عورتوں کا جو تصور پیش کیا ہے وہ اپنے پیش رووں سے مختلف نہیں۔ لیکن ذرا بہت ضرور ہے، انھوں نے پہلی مرتبہ "پردے" کے نازک موضوع کو چھیڑا اور عورت کی آزادی پر قلم اٹھایا۔ اپنے ناول "بدرانساء کی مصیبت" کے دیباچے میں لکھتے ہیں۔

> "جس طرح کسی بڑے موتی یا ہیرے کو آپ سرمایہ سمجھ کر صندوق میں مقفل کرتے ہیں۔ اسی طرح چاہتے ہیں کہ عورتوں کو بھی مایہ عزت قرار دے کر ڈبیہ میں بند کر لیں۔"(6)

پریم چند نے اردو ناولوں میں عورت کی بیوگی کے موضوع پر بات کی۔ پریم چند کے چار ناول خصوصا اسی موضوع پر ہیں۔ پریم چند کے ناولوں نے عورتوں کے اس مسئلے کو نہ صرف اجاگر کیا، بلکہ کسی حد تک اس کے خاتمے میں اہم کردار ادا کیا۔ پریم چند نے جو عورت کا تصور پیش کیا وہ بہت حد تک حقیقی ہے۔ خصوصاً دیہات کی عورت اپنے پورے سراپے اور نفسیات کے ساتھ ان کے ناولوں میں جلوہ گر ہوتی ہیں۔ اردو ناول میں مردوں نے عورتوں کا جو تصور پیش کیا ہے وہ ہماری معاشرتی زندگی سے بہت قریب تر ہیں۔

تانیثیت کی اس تحریک کو شروع کرنے کا مقصد نہ صرف خواتین کی بے بسی کے المیے کا اظہار کرنا ہے بلکہ ان مسائل کو روکنا بھی ہے۔ تو اس نسوانیت / تانیثیت کے لیے ہمیں کیا کرنا چاہیے اور کیا کرنا چاہیے، یہ یاد رکھنا ضروری ہے۔

اردو افسانوی اصناف میں تانیثیت کے عناصر کہاں سے آتے ہیں؟ اسی معاشرے سے، اسی زمانے سے، جدید تعلیم سے، جدید تہذیب سے، جدید ادب کے مطالعے سے اور سوشل میڈیا کے ذریعے، میں یہ وجوہات بتانا چاہتا ہوں۔ مقصد تنقید کرنا نہیں ہے، بلکہ اس بات کی نشاندہی کرنا ہے کہ عزت کو برقرار رکھنے کے لیے بعض چیزوں کے کثرت سے استعمال اور چھپانے سے مسئلہ ختم نہیں ہوتا، بلکہ نسوانیت کے مسئلے کی ابتدا ہوتی ہے۔

آج کل ہزاروں لڑکیاں کال سینٹرز میں کام کرتی ہیں، کئی مردوں کے ساتھ اٹھتی بیٹھتی ہیں، بہت سے نامعلوم لڑکوں یا لوگوں سے بات کرتی ہیں۔ ان کا بیٹھ کر بات کرنا غلط نہیں لیکن وہ کس کے ساتھ بات کر رہے ہیں۔ کیا ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے والوں کا پورا سولہ آنا درست ہے؟ یہ صرف وہی لڑکیاں واضح طور پر بتا سکتی ہیں جو اس معاشرے میں، اس دفتر میں، اس چھوٹی سی دنیا میں اور کمپنیوں میں کام کرتی ہیں۔ ہمارا کام صرف آنکھیں بند کر کے فیصلے کرنا نہیں ہے، بلکہ ہمیں اس ماحول سے آگاہ کرنا بھی ہے جس میں آپ اور میں اپنی زندگی گزار رہے ہیں۔

بلونت سنگھ کا ناول "کٹھن ڈگریا" ایک افسانہ ہے جس میں وہ موجودہ ماحول کو تھپڑ مارتا ہے۔ دوسرے دوست کی بیوی متوجہ ہوتی ہے اور دوسرے دوست کا اپنے پہلے دوست کی بیوی کے ساتھ افیئر ہوتا ہے اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس کی بیویاں بھی ایسی ہی حالت میں ہوتی ہیں، اور وہ ان کے ساتھ وقت گزارنے میں لطف اندوز ہوتا ہے۔ وقت کی کمی کو سمجھ رہے ہیں، تفصیلات میں جانا مناسب نہیں۔ ہم یہاں صرف اتنا کہہ سکتے ہیں کہ یہ افسانہ بھی موجودہ دور میں تانیثیت کے چند پیچیدہ پہلوؤں میں سے ایک ہے۔

اس دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں جو لڑکوں اور لڑکیوں میں فرق کرتے ہیں۔ ان کے بیٹے اعلیٰ تعلیم حاصل کرتے ہیں اور بیٹیاں تعلیم چھوڑ دیتی ہیں۔ جب تک اس فرق کو ختم نہیں کیا جائے گا، حقوق نسواں کے مسائل ہمارے معاشرے اور ہمارے ملک اور معاشرے سے باہر نہیں ہوسکتے۔ عورت یا نسوانی کردار کی زندگی مختلف مشاہدات اور رجحانات سے بھری پڑی ہے، جس کا ایک پہلو بہت بڑا مضمون بن سکتا ہے۔ ساتھ ہی خواہشات کو دبانا بھی بشر کا کام ہے۔ کچھ خواتین ایسی بھی ہیں جو اپنے خاندان کی نہ ختم ہونے والی ذمہ داری کو کسی نہ کسی طرح ختم کر کے تعلیم حاصل کرتی ہیں ۔

یہ ان کی انتھک کوشش ہے کہ ان کے شوہر اور بچے ان کے ساتھ ہیں۔ خوش رہیں اور ان کی جدوجہد میں ان کے خادموں اور بچوں کا کچھ خون جگر بھی شامل ہے۔ تاہم مندرجہ بالا تمام بیانات خواتین کے جذبات، احساسات، مشاہدات اور رجحانات کا اظہار کرتے ہیں جب وہ ان کی تشریح سے باہر ہیں۔ تانیثیت محض عورتوں کی حق تلفیوں کا ہی نام نہیں ہے بلکہ ان کی ترقی وکامیابی بھی اسی کا ایک حصّہ ہے۔

جدید اردو نظم میں تانیثی رجحانات

ناولوں اور افسانوں کے علاوہ خواتین نے مسائل کو کھل کر اجاگر کرنے کے لیے غزلوں اور نظموں میں بھی احتجاج کا ماحول پیدا کیا۔ شاعری کے میدان میں درج ذیل نام اہم ہیں

1۔ کشور ناہید 2۔ ادا جعفری 3۔ شائستہ حبیب 4۔ شائستہ یوسف 5۔ شہناز نبی

6۔ فہمیدہ ریاض 7۔ ساجدہ زیدی 8۔ زاہدہ زیدی 9۔ پروین شاکر 10۔ زہرہ نگاہ

ان کا انداز، سوچ و شکل اور خیالات کا تجربہ کیا۔ ان خواتین نے دیگر سماجی اور معاشرتی مسائل کے ساتھ نسوانی رجحانات سے بھرپور نظمیں لکھیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان شاعروں کی نظموں میں جس طرح کا احتجاج اور بغاوت ہے اردو شاعری کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔

ڈاکٹر قاسم یعقوب کے مطابق:

> "اردو نظم میں عورت کے عورت پن کی شناخت کا رجحان بیسویں صدی کے نصف آخر میں واضح طور پر نظر آنا شروع ہوا۔ اس سے پہلے اردو شاعری میں عورت کا سماجی، تہذیبی اور نفسیاتی کردار مرد کے ساتھ بطور امدادی (supportive) کے موجود تھا۔" (7)

شاعری میں ادا جفری، پروین شاکر، فہمیدہ ریاض، کشور ناہید سارہ شگفتہ، تنویر انجم، عذرا عباس، گلنار آفرین، رافعہ شبنم عابدی، فرخ زہرہ گیلانی، رضیہ کاظمی، فرزانہ اعجاز، نوشی گیلانی، زہرہ ناگیل اور کئی شاعروں نے شاعری کی۔ کشور ناہید کی کتاب "میں کئی نظموں میں وہ اپنا احتجاج بیان کرتی ہیں۔

وہ اپنی نظم "میں اسے منع نہیں کر سکتی ہوں" میں یوں رقمطراز ہیں:

"مجھے اپنی کوکھ سے کبھی محبت نہیں رہی
محبت تو تب ہوتی
جب اس کوکھ سے جنم لینے والوں
یا اس کوکھ کو بھر دینے والوں نے
کبھی بھروسے اور محبت کا یقین دلایا ہوتا(8)

کشور ناہید دور حاضر کی عورت کو آگاہ کرتی ہے، وہ انھیں سمجھانے کی کوشش کرتیں ہیں کہ تم بھی سوسائٹی کا زندہ رکن ہو، لکڑی یا پتھر کا ٹکڑا نہیں۔ سپورٹ کی تلاش نے آپ کو معذور بنادیا ہے۔ مردوں کو ساری زندگی خوش رکھنا، اپنے آپ کو مردوں کے لیے مفید ثابت کرنا، ان کا دل جیتنے کی کوشش کرنا، ان کی عزت کرنا، جب وہ بچے ہیں تو ان کی پرورش کرنا، بالغ ہونے پر ان کا ہونا۔ خدمت میں گزرنا۔"

کشور ناہید کی غزلوں میں بھی تانیثی شعور ملتا ہے، ان کے ہاں عورت ہی معاشرتی ناہمواریوں پہ نوحہ کناں ہے:

"میں ایک ہاتھ سے دیوار کیسے تھاموں گی
لہو میں غرق ہے دست دعا نیام تلک(9)

"لبِ گویا" کی غزلوں میں بھی روایتی عشق میں عورت کی وہ تصویر نظر آتی ہے جسے بازار کی زینت بنادیا گیا:

بیٹھی ہوں راہ میں کسی تصویر کی طرح
وہ بھی کبھی تو آئے گا رہگیر کی طرح(۱0)

19 ویں صدی کے آخر تک، تحریک میں خواتین کے حقوق کی آواز تیزی سے بدل چکی تھی، اور خواتین کے مسائل کو کھلے عام فروغ دینے کے لیے خواتین کی بہت سی چھوٹی چھوٹی ملیشیا ابھری تھیں۔ خواتین

کے لیے روز گار کے دروازے کھل گئے اور پستی کے ماحول میں رہنے والی عورت نے دیکھتے ہی اپنی اہمیت اور ضرورت کو پہچان لیا۔

اگر معاشرے میں عورت کو اس کی ذات پر ویسا ہی اختیار مل جائے۔ جو مرد کو حاصل ہے تو وہ معاملاتِ زندگی کو ایسے ہی سنبھالے گی جیسا کہ ایک مرد سنبھالتا ہے، جس کے لیے تحفظ بنیادی شرط ہے۔اس پیچیدہ معاملے کا حل یہی ہے کہ عورت ایسی کہانی یا نظم لکھے ۔ جس میں اس کی قوتیں اور صلاحیتیں عیاں ہوں۔عورت ذمہ دار فرد کے طور پر سامنے آئے اور ایسا ادب تخلیق کرے جس میں عورت اور مرد دونوں کے ذہنوں میں بنے ہوئے ایک دوسرے سے الگ اور مختلف ہونے کا احساس ختم ہو جائے اور ایک متوازن اور خوشحال معاشرہ جنم لے۔

تعلیم و تربیت کے ذریعے ثقافتی ورثے کو تانیثی لہجہ اپنا کر نئی نسل تک منتقل کرنا نسوانیت کا ایک معجزاتی اثر ہے۔ اس حوالے سے خواتین نے بہت جگر شاعری دکھائی ہے۔ انھیں اس بات کا شدت سے احساس رہا ہے کہ ثقافتی اقدار اور روایات کا فروغ وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔ اس میں غلطی کرنا ایک مہلک غلطی ہے جو انسان کو وحشت اور بربریت کا شکار بنا سکتی ہے۔

اس حوالے سے دیکھا جائے تو اردو میں تانیثیت کے حوالے سے کشور ناہید بھی اس ہراول دستہ کا حصہ ہیں جو بڑے پیمانے پر نہ سہی لیکن اس نظام میں جدوجہد کی چھوٹی بڑی لہریں اٹھانے کی کوشش کر رہا ہے۔

نسائی ادب اور تانیثی ادب میں فرق:

لغات میں نسائیت اور تانیثیت کا فرق وضاحت سے سامنے نہیں آتا۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا لغات سماجی/علمی/ فکری ترقیات کے قدم بقدم چلتی ہیں؟ تو جواب اس کا نہیں میں ہے۔ بالخصوص اردو کے حوالے سے۔اردو لغات تو دور کی بات اردو کے علمی ادبی حلقے آج کے تیز رفتار انٹر نیٹ معلومات کے دور بھی ابھی تک نسائی اور تانیثی آوازوں کے مابین فرق پر پوری طرح واضح نہیں ہیں۔

بہت سے صاحبِ کتاب، پی ایچ ڈی خواتین وحضرات بھی نسائی ادب Women Literature اور تانیثی ادب Feminist Literature کے باہمی فرق کے بارے میں چونکہ حساس نہیں ہیں اس لیے مغالطے کا شکار ہیں۔اور نسائیت و تانیثیت کو ہم معنی سمجھے ہیں۔

۲۔آپ گرائمر میں تذکیر و تانیث یعنی جنس کی بنیاد پر جانداروں کی تقسیم جانتے ہیں۔تانیث جب انسانوں میں آتی ہے تو ان کی پہچان کے لیے زبانوں میں کئی مختلف الفاظ ہوتے ہیں مثلاً" اردو میں عورت، نسا، زن وغیرہ۔یہ تمام الفاظ صرف الفاظ نہیں ہیں بلکہ اپنے مفہوم میں تاریخی اور ثقافتی پس منظر کے حامل ہیں۔یہ عورت کا وہ تصور پیش کرتے ہیں جو مرد حاکمیت کا معاشرے صدیوں بلکہ ہزاریوں کے سفر میں تشکیل دے چکا ہے۔

۳۔عورتوں کی اپنے حقوق، پہچان اور معاشرے میں مساوی مقام کے حصول کی تحریک زیادہ قدیم نہیں ہے۔یہی کوئی سو برس سے کچھ زیادہ۔اسی تحریک کے اثرات تھے کہ یورپ کے وہ ترقی یافتہ ممالک جنھوں نے اپنی تمام تر ترقی کے باوجود اپنی عورتوں کے حقِ ووٹ کو تسلیم نہیں کیا تھا وہ اس حق کو تسلیم کرنے پر آمادہ ہوئے-اسی شعور پر مبنی ادب تانیثی ادب کہلاتا ہے۔

۴۔اب آتے ہیں نسائی ادب کی طرف، آپ اسے عورتوں کا لکھا ہوا ادب کہہ سکتے ہیں۔یہ ایک علمی مطالعے کا شعبہ ہے جس کا یہ مفروضہ یہ ہے کہ ادبی مطالعہ جو خواتین کے تجربوں پر مبنی ہے، تاریخی طور ان کی جنس کی وجہ سے مختلف ہوتا ہے۔اسی وجہ سے اسے مطالعہ کا ایک مخصوص شعبہ قرار دیا جاتا ہے۔یہ کہا گیا ہے کہ "خواتین کے متون ان حالات اور صورت حال سے رو نما ہوتے ہیں جو مصنف مردوں کی تیار کردہ سے مختلف ہوتے ہیں۔ عورتوں کا لکھا ہوا ادب پوری دنیا میں مطالعے کی ایک شاخ ہے۔یونیورسٹیوں میں عورتوں پر تحقیق و تعلیم کے الگ شعبہ جات ہیں اور یہ سب اپنی ضرورت کے تحت وجود میں آئے ہیں۔

۵۔نسائی ادب کو تانیثی ادب سے الگ دیکھنے / سمجھنے کے لیے میں ذاتی طور پر بہت حساس ہوں۔ نسائی ادب سے مراد عورتوں کا لکھا ہوا ادب اور عورتوں کے جدید شعور سے لیس ادب دو مختلف شاخیں ہیں۔

۶۔اردو میں فہمیدہ ریاض اور کشور ناہید اگر ادب میں تانیثی شعور کی علمبردار ہیں تو عورت کے روایتی تصور کی ترجمان بانو قدسیہ ہیں۔اردو میں ترقی پسند تحریک سے وابستہ یا اس شعور سے لیس ادیب، عصمت چغتائی، ڈاکٹر رشید جہاں وغیرہ۔

۷۔ تانیثی ادب صرف عورتوں تک محدود نہیں عورتوں کا بحثیت انسان مساوی مقام سے جڑے موضوعات پر مبنی ادب بلا تمیز مرد و زن تانیثی ادب میں شمار ہو گا۔ اور عالمی ادب میں ایسے ادیبوں کی کمی نہیں۔

5۔ حمیرا اشفاق: احوال و آثار

ڈاکٹر حمیرا اشفاق 15 جون 1981 کو تحصیل کبیر والا کے ایک چھوٹے سے گاؤں "پل مگسیاں وال" میں پیدا ہوئیں۔ یہ شہر سے دور ایک خوبصورت زرعی علاقہ ہے۔ ڈاکٹر حمیرا اشفاق کے آباؤاجداد گزشتہ دو صدیوں سے اس علاقے میں آباد ہیں۔ ڈاکٹر حمیرا اشفاق کا تعلق " مگسی بلوچ" سے ہے۔ یہ صوبہ بلوچستان کا ایک قبیلہ ہے۔

ڈاکٹر حمیرا اشفاق کے والد محترم کا نام اشفاق حسین ہے۔ ان کی ایک بہن اور ایک بھائی ہے۔ ڈاکٹر حمیرا نے ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں کے بوائز سکول سے حاصل کی اور وہ سارے سکول میں واحد لڑکی تھی۔ اس لیے سارا دن انھیں اپنی کلاس کے مخصوص کونے میں الگ ٹاٹ پر سارا دن بیٹھنا ہوتا تھا۔ کھیل کود، باہر نکلنے کی انھیں ہرگز اجازت نہ تھی۔ پرائمری کے بعد ڈاکٹر حمیرا کے چھوٹے چچا، میاں چنوں کالج میں اردو کے لیکچرر ہوئے تو انھوں نے ڈاکٹر حمیرا اور ان کے بھائی کو ساتھ لے گئے۔

حمیرا اشفاق صاحبہ نے اپنے چھوٹے چچا پروفیسر غضنفر عباس مگسی سے اردو ادب کی کتب کا مطالعہ کرنے اور ان کی رہنمائی اور شفقت سے لٹریچر کو سمجھنے کا موقع ملا۔ ان کی بھرپور توجہ سے وہ اردو کی سکول کالج اور بعد ازاں یونیورسٹی کی بہترین مقرر رہی۔ لکھنے کا شوق بھی انھی کی بدولت ہوا اور بی اے تک کی تعلیم میاں چنوں سے مکمل کی۔ وہیں ڈاکٹر حمیرا کی ملاقات اردو کی ایک بہترین استاد میڈم شائستہ جمال سے ہوئی۔ انھوں نے ادبی ذوق کو مزید جلا دی اور آگے اردو ادب میں ایم۔ اے کرنے کا مشورہ دیا۔ حمیرا صاحبہ نے ایم اے کے دوران کچھ عرصہ ایکسپریس اخبار میں بطور ہفتہ وار فورم انچارج کیریئر کا آغاز کیا۔ اگرچہ اس ملازمت کو انھوں نے جلد خیر باد کہہ دیا لیکن اس سے صحافتی دنیا کا اور ان کے کام کرنے کا طریقہ یہ سب باتیں ان کے تجربے اور مشاہدے کا حصہ بنیں۔

ڈاکٹر حمیرا ایک اچھی خوشگوار ازدواجی زندگی گزار رہی ہیں۔ ان کے شوہر بزنس سے وابستہ ہیں۔ تین بچے ہیں ۔ ایک بیٹی شہرزاد 18 سال کی ہے۔ مصوری ، سکیچنگ اور انگلش پوئٹری کرتی ہے۔ ساتھ ہی

ایرونوٹیکل انجیئرنگ کر رہی ہے۔ بیٹا علی رحمان گریڈ 8 میں ہے دوسری چھوٹی بیٹی 8 سال کی ہے ۔اس کا نام آمنہ رحمان ہے۔بس ان کی شرارتوں سے گھر کا آنگن آباد رہتا ہے۔ وہ(ڈاکٹر حمیرا)اس وقت صدر شعبہ انٹر نیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد میں فرائض ادا کر رہی ہیں۔وہ ہوسٹل پرووسٹ بھی ہیں۔

ادب کی سمجھ بوجھ یا تعارف انھیں اپنی دادی جان جنت بی بی سے بچپن میں ودیعت ہوا۔"وہ داستان کہنے کا ہنر بہت خوب جانتی تھی۔کلاسیکی داستانوں کے کردار، کہانیاں ہر روز سننے کے باوجود ان کی زبان سے ہر بار نئے اور زیادہ دلچسپ لگنے لگتے تھے۔ان کو ضرب الامثال، فارسی کہاوتیں اور نعتیں، کلام میاں محمد بخش اور کلام سلطان باہو ازبر تھے"۔

اس طرح بچپن سے ہی قصہ کہانی شاعری لوریاں سب سن کر ادبی میلان بنا۔ان کی پہلی کہانی سے ایم اے میں یونیورسٹی میگزین میں شائع ہوئی،اس کے بعد تحقیق و تنقید اور بالخصوص ادبی تراجم کے مطالعے کا شوق رہا۔

چونکہ مقالے کا عنوان "حمیرا اشفاق کی نثر میں تانیثیت کا جائزہ ہے اس لیے ادبی میدان میں ان کی خدمات کو جاننا بہت ضروری ہے۔

ڈاکٹر حمیرا اشفاق اردو ادب کا ایک ایسا نام ہے، جنھوں نے اردو ادب کے لیے بہت سی خدمات سر انجام دیں۔ڈاکٹر حمیرا اشفاق نہ صرف اردو محقق، اور تنقید نگار ہیں بلکہ اعلیٰ پائے کی افسانہ نگار اور ناول نگار بھی ہیں۔

بقول سائرہ بتول:

> "ڈاکٹر حمیرا اشفاق بہت ہی نفیس، نرم دل اور محنتی خاتون ہیں۔حساسیت ،نرمی اور شفقت ان کے مزاج کا اہم حصہ ہیں۔عاجزی اور انکساری ڈاکٹر حمیرا کے خمیر میں شامل ہے۔دوستوں کے لیے مہربان اور مدد کے لیے تیار رہتی ہیں۔"(11)

ڈاکٹر حمیرا اشفاق کو بطور میڈیا پرسن، ادیب اور ادبی نقاد کا 17 سال کا تجربہ ہے۔وہ بیجنگ فارن اسٹڈیز یونیورسٹی چائنا(BFSU) میں بطور(Foerign Language Expert) خدمات سر انجام دے

چکی ہیں۔ وہ سینٹر فار ساؤتھ ایشین اسٹڈیز، یونیورسٹی آف کیمبرج میں پوسٹ ڈاکٹریٹ فیلو تھیں، اور ان کے پاس امن، تعلیم، فرانسیسی ادب، تحریک نسواں، تاریخ اور ثقافت پر 15 سے زیادہ کتابیں، دس تحقیقی مقالے لکھنے کا اعزاز ہے۔ تقریباً24 ریسرچ پبلیکیشنز اور قومی اور بین الاقوامی کانفرنسوں میں شرکت کی۔ اس کے علاوہ لمز(LUMS) یونیورسٹی میں وہ تانیثیت کے حوالے سے مختلف لیکچرز بھی دیتی رہی ہیں۔

تعلیمی قابلیت:

1) ڈاکٹر حمیرا نے IIUI سے 2012 میں پی ایچ ڈی کیا۔
2) ڈاکٹر حمیرا نے بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی (BZU)، ملتان سے ایم فل کی ڈگری 2005 گولڈ میڈل کے اعزاز کے ساتھ حاصل کی۔
3) 2002 میں بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی (BZU)، ملتان سے اردو ادب میں ماسٹرز کی ڈگری حاصل کی جس میں انھیں گولڈ میڈل سے نوازا گیا۔
4) ڈاکٹر حمیرا اشفاق کی اشاعتوں (Publications) کی فہرست کافی وسیع ہے ان میں سے نمایاں درج ذیل ہیں۔

الف) ایچ ای سی کے منظور شدہ جرائد میں شائع ہونے والے مضامین کی فہرست

- عزیز احمد کے افسانے، نو آبادی ہندستان میں اشرف ثقافت کے عہد و زوال کی داستان
- عزیز احمد کے ناولٹ: تہذیب و ثقافت کی بازیافت
- عزیز احمد کا تصوّرِ تاریخ و تہذیب: ناول نگاری کے تناظر میں
- فیض احمد فیض اور فکشن کی تنقید
- عزیز احمد کا تصور تاریخ و تہذیب (غیر افسانوی نثر کے تناظر میں)
- والٹیئر: تاریخ ہند کا نیا تناظر
- ڈاکٹر رشید جہاں: اردو ادب میں انسان دوستی کی مثال
- مختار صدیقی کی شاعری کا تجزیاتی مطالعہ

- اردو افسانے میں خواتین کے لیے تخلیقی سفر کے احوال اور مقامات
- جدیدیت، وجودیت اور اردو ناول
- اردو ناول پر فرانسیسی ناولوں کے ترجمے کے اثرات

ب) بین الاقوامی مطبوعات

- نو آبادی ہندستان میں تعلیم نسواں کی فروغ میں مجلہ "عصمت" کا کردار
- اردو اسکالر کی دنیا، عالمی اثرات کا عنصر،، اردو کے لیے بین الاقوامی حوالہ شدہ جریدہ، 2015
- خواتین کی لوک داستان: ایک صنفی تناظر، SARRC کی بنیاد، مصنفین اور ادب، نئ دہلی، 2011
- اختر حسین رائے پوری: طارقِ پاس اور ترقی پسند تنقید کا اولین آہنگ" جموں یونیورسٹی کی تحقیق کے ذریعہ اشاعت کے لیے منظور کیا گیا۔

ج) شائع شدہ کتابوں کی فہرست

- عزیز احمد: ادب، تاریخ ور تہذیب، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور،
- اردو اور فرانسیسی ادب کے باہمی روابط
- جدید اردو فکشن: عصری تقاضے اور بدلتے رجہانات (جدید اردو افسانہ: عصری ضروریات اور بدلتے پہلو)
- اوراق ہند (بھارت پر والٹیئر کے اکاؤنٹ کے ٹکڑے، اردو ورژن ایک تعارف کے ساتھ ترمیم شدہ
- ترقی پسند تنقید پون صدی کا قصہ
- مصر کی رقاصہ (پطرس بخاری کا فرانسیسی اوپیرا کا اردو ورژن جو اناتول فرانس کے ناول پر مبنی ہے۔
- نثر رشید جہاں (ڈاکٹر رشید جہاں کے افسانوں اور غیر افسانوں کا انتخاب جامع تعارف کے ساتھ)۔
- (مختار صدیقی: نوکلاسیکی روایت کا نمائندہ)
- ماحول، مشاعرہ اور پائیدار ترقی (ماحول، معاشرہ اور پائیدار ترقی، ماحولیات پر مطالعات کی ایک تالیف
- ادب اور زندگی اور دیگر تحریریں (ادب اور زندگی اور اختر حسین رائے پوری کی دیگر تحریریں، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، 2014

- ادب کی تاریخ اور تہذیبی تناظر، (ادب کا تاریخی اور ثقافتی تناظر)، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور 2014۔
- عزیز احمد کے پانچ ناولٹ۔، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور 2015 (12)

حوالہ جات

1۔دیوند راسر، تانیثیت چند پہلو (مضمون)، مشمولہ تانیثیت اور ادب، انور پاشا(مرتب)، عرشیہ پبلی کیشنز، دہلی، ۱۹۹۰ء، ص ۷۰۔

2۔فاطمہ حسن، ڈاکٹر ،فیمنزم اور ہم،وعدہ کتاب گھر،کراچی،۲۰۱۳ء،ص۲۲

3۔اعجاز الرحمان،تانیثیت اور قرات العین حیدر کے نسوانی کردار،سنگ میل پبلشرز، لاہور، ۲۰۰۸ء ،ص۷

4۔فہمیدہ ریاض،ادب کی نسائی ردِ تشکیل،وعدہ کتاب گھر ،کراچی،۲۰۰۶ء،ص۲۲۔۱۲۱

5۔فاطمہ حسن، ڈاکٹر ،فیمنزم اور ہم،وعدہ کتاب گھر،کراچی،۲۰۱۳ء،ص۱۵۔

6۔نسرین انجم بھٹی، چند سوال(مضمون)، مشمولہ ادب کی نسائی رد تشکیل،ص15

7۔فہمیدہ ریاض(مرتب)، وعدہ کتاب گھر، کراچی، ۲۰۰۶ ء، ص۱۰۳۔

8۔صغریٰ مہدی، اردو ادب میں خواتین کے مسائل(مضمون)، مشمولہ اردوادب کو خواتین کی دین، اردو اکادمی، دہلی، ۱۹۹۴ء، ص۱۹۳۔

9۔علی احمد فاطمی، تحریک نسواں اور اردو ادب (مضمون)، مشمولہ اردوادب کو خواتین کی دین، اردو اکادمی، دہلی، ۱۹۹۴ء، ص۱۴۸۔

10۔احمد ندیم قاسمی ،بین (مجموعہ) ،سنگِ میل پبلی کیشنز،لاہور،۲۰۰۸ء،ص۳۸۵

11۔ سلیمان اطہر جاوید،پروفیسر، تصور شیخ(مضمون)، مشمولہ کلیات عزیز احمد ،موڈرن پبلشنگ ہاؤس، دہلی،۲۰۰۵ء،ص۷۳

12۔کشور ناہید،گنہگار عورتیں(مضمون)، مشمولہ فیمنزم اور ہم، فاطمہ حسن، ڈاکٹر (مرتب)، وعدہ کتاب گھر، کراچی،۲۰۱۳ء، ص۱۵۵۔

13۔مقالہ نگار کا ڈاکٹر سائرہ بتول سے انٹرویو، بہ مقام انٹرنیشنل اسلامک یونی ورسٹی، اسلام آباد ، بہ تاریخ ۲۳/ جنوری ۲۰۲۳ء۔

باب دوم۔

تانیثیت کے تناظر میں حمیرا اشفاق کے افسانوی نثر

حمیرا اشفاق کی نثر میں تانیثیت کا مطالعہ کرنے سے پہلے اس بات سے آگہی حاصل کرنا ضروری ہے کہ کہ نثر کیا ہے اور اس کی کتنی اصناف ہیں؟

نثر کے لغوی معنی ہیں "وہ شے جو بکھری ہوئی ہو"یعنی ایسی عبارت جس میں قافیے اور وزن کا التزام نہ ہو نثر کہلاتی ہے۔

انشائیہ:

نثری ادب کی سب سے مشہور صنفوں میں سے ایک "انشائیہ" ہے۔ انشاء تحریر کی ایک منفرد شکل ہے اور نثر میں ایک الگ صنف کی حیثیت رکھتی ہے۔ ادب انشاء اللہ کے الفاظ رنگ برنگے ہاروں سے مزین ہیں، کاغذ کی چمنی کو اپنے خیالات کی رنگینیوں، اپنے تاثرات، مشاہدات کو رنگ برنگے محاورات اور استعارات سے بھر دیتے ہیں، تنقیدی لہجہ انشائیہ کی خوبی ہے۔ کسی ایک واقعے، کہانی یا حادثے پر نہ ہو؛ اس کے برعکس وہ ایک اچھوتا اسلوب اپناتا ہے جس میں وہ قاری کی دلچسپی کو اپنا ہدف بنالیتا ہے۔ ان کی تحریر نہ تو سنجیدہ ہے اور نہ ہی غم واندوہ کا اظہار(۱)

مضمون یا مقالہ:

مضمون اردو نثر کی ایک اہم صنف ہے۔ جس میں دنیا کے ہر موضوع کو زیرِ بحث لایا جاسکتا ہے۔ جب کہ مقالے کا دائرہ کار علمی و ادبی ہوتا ہے۔ مقالہ سے مراد "بات" یا" گفتگو" کے ہیں"۔ دراصل یہ ایک ہی صنف کی دو شکلیں ہیں۔ ان میں فرق صرف اتنا ہے کہ مضمون تھوڑا چھوٹا ہے نسبتاً طویل اور علمی ہے۔ مقالہ میں مضمون سے زیادہ گہرائی ہوتی ہے۔ مضمون نگار جس موضوع پر مضمون لکھے۔ پہلے ضروری مواد جمع کرے اور اپنی بات کو دلائل کے ساتھ پیش کرے اور پھر آخر میں کوئی نتیجہ اخذ کرے۔(۲)

داستان:

اس صنف کو ناولوں، افسانوں اور ڈراموں کی بہن سمجھا جاتا ہے۔ لیکن داستان کا انداز اور اسلوب باقی سب سے مختلف ہے۔ کہانیاں، خیالی واقعات کو منفرد اور خوبصورت انداز میں بیان کرتی ہیں، کہانی سنانے والے اور سننے والے کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ کہانیاں ماضی کی روایت رہی ہیں۔ کہانی پیچیدگیوں، پیچیدگیوں، بیان کی طوالت اور کرداروں کی کثرت سے بھری ہوئی ہے، لیکن پھر بھی اس کی خوبصورتی اور دلکشی برقرار ہے۔ قاری یا سامع کہانی کے اختتام تک پہنچنے کے لیے بے چین رہتا ہے۔

افسانہ:

ایسی کہانی جو مختصر ہو افسانہ کہلاتی ہے۔ افسانہ نگار اپنی تحریروں میں زندگی کی پیچیدگیوں، تکلیفوں، غموں، طبقاتی کشمکش، عدم برداشت، نسلی تفریق، غربت، جبر اور ناانصافی جیسے مسائل بیان کرتا ہے۔ افسانے میں واقعات کو بیان کرنے کے بجائے خلاصہ کیا جاتا ہے۔ پلاٹ، منظر نگاری، مکالمے اور کردار نگاری مصنوعی ہے، افسانے اور ناول میں بہت سی مماثلتیں ہیں۔ (3)

سوانح:

اس میں کسی شخص کی زندگی (پیدائش سے لے کر موت تک) کا تفصیلی احوال ملتا ہے۔ سوانح حیات کا مطالعہ نہ صرف انسان کی زندگی، تعلیم اور عادات کے بارے میں بلکہ اس کی زندگی کے بارے میں بھی آگاہ کرتا ہے۔ تاریخی، ثقافتی، سیاسی اور ادبی حالات اور رجحانات سے واقفیت۔ سوانح عمری کسی بھی عالم، ادبی، سیاسی یا مشہور شخصیت کی زندگی پر لکھی جا سکتی ہے۔ سوانح نگار کے لیے واقعات کو ترتیب سے بیان کرنا ضروری ہے۔

سفرنامہ:

سفر نامے میں عینی شاہدین کے بیانات اور سیر و تفریح کی کہانی کا پتہ لگایا گیا ہے۔ سفر نامہ دنیا کے تقریباً ہر ادب کی ایک مستقل صنف رہی ہے۔ جب کوئی ادیب سفر کے لیے گھر سے نکلتا ہے۔ خواہ وہ سفر اندرونِ ملک ہو یا بیرونِ ملک وہ اپنے سفر کے تمام احوال قلم بند کرے تو ایسی تحریر کو ہم "سفر نامہ" کہتے ہیں۔ سفر نامہ نگار اپنے سفر نامے میں ملک / خطے کی تاریخ، اس کا جغرافیہ، تہذیب و تمدن اور معاشی و معاشرتی حالات کو بھی بیان کرتا ہے۔ ان تمام باتوں کو دلچسپ اور پر لطف بنانے کے لیے سفر نامہ نگار اس میں کہانی کا عنصر شامل کرتا ہے۔ یعنی سفر نامہ نگار انجانی دنیا کی سیر کے دوران تعجب، حیرت اور تجسس کے جن مراحل

سے گزرتا ہے۔ اُنھیں افسانوی رنگ دے کر اپنے سفر نامے کو قاری کے لیے دلچسپ اور معلومات افزا بنا دیتا ہے۔ اس لیے ہم کہ سکتے ہیں کہ سفر نامہ کسی ملک کی جغرافیائی، سماجی، معاشی اور معاشرتی حالات کی ایک دلچسپ اور مستند تاریخ ہوتی ہے۔

ہم نے باب کے آغاز میں اردو کی نثری اصناف کا ذکر کیا ہے لیکن ہم اپنے مقالے میں حمیرا اشفاق کی نثر میں افسانہ، ناول، تحقیقی و تنقیدی مضامین کو تانیثیت کے تناظر میں پرکھے گے۔

(الف) حمیرا اشفاق کے افسانوی مجموعے "کتبوں کے درمیان" کا مطالعہ

کتبوں کے درمیان " اگرچہ ان کا پہلا افسانوی مجموعہ ہے۔ لیکن اس مجموعے کو پڑھ کر محسوس نہیں ہوتا کہ وہ پہلی بار افسانے لکھ رہی ہیں بلکہ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے انھیں افسانے لکھتے ہوئے سال ہا سال گزر چکے ہیں۔ جس طرح ڈاکٹر حمیرا نے اپنی تحقیق و تنقید میں اپنی صلاحیتوں کو منوایا ہے، اسی طرح ان کے افسانے بھی منفرد اور یکتا ہیں اور اردو ادب میں ان کی کوئی نظیر موجود نہیں۔ مصنفہ کے افسانوں سے سرسری گزرنا مشکل ہے۔

افسانے کی پرتیں آپ کو ان سے گزرنے نہیں دیتیں۔ اپنے افسانوں میں اس نے سرمایہ دارانہ نظام، خواتین کے حقوق کی پامالی اور تنہائی کی آزمائش سے بھاگنے والوں کی حالت زار کو کھل کر بیان کیا ہے۔ محمد حمید شاہد صاحب ان کے بارے میں کہتے ہیں کہ

> " حمیرا اشفاق نے کہانی سنانے کی تکنیک استعمال کی، کبھی مکالمے میں ساری بات کہہ دی اور کبھی کرداروں کو اپنے پیروں پر اس طرح کھڑا کر دیا کہ ان کا قد کھڑا ہو گیا اور کہانی نکھرتی چمکتی رہی۔ " (4)

اگرچہ افسانوی مجموعہ "کتبوں کے درمیان" انیس افسانوں پر مشتمل ہے ان افسانوں میں سے بیشتر افسانے تانیثیت کے تناظر میں لکھے گئے۔ مصنفہ اس معاشرے کی عورت کے حقیقی مسائل کو مہارت سے اجاگر کرتی ہیں۔

وہ نہ صرف کہانیاں تخلیق کرتے ہیں بلکہ وہ ہمیں حمیرا اشفاق کے دردمند دل کے قریب بھی لے جاتے ہیں۔ وہ اپنی فکری صلاحیت اور تخلیقی صلاحیتوں کے احترام میں بھی اضافہ کرتے ہیں۔ حمیرا اشفاق کے افسانوں میں نچلے طبقے کے مظلوم لوگوں کی دل دہلا دینے والی کہانیاں ہیں جو نئ ایجادات کو قبول نہیں کر سکتے اور ان کی آواز دبا دی جاتی ہے۔ ڈاکٹر حمیرا اشفاق کے افسانے درج ذیل ہیں۔

ا۔ مسٹر چرچل ۲۔ گھگھو گھوڑے ۳۔ گلاب 4۔ مٹی، مٹکے، سونا 5۔ روشنی کا سفر

6۔ حصار 7۔ جادوگر 8۔ کتبوں کے درمیان 9۔ بھاگ بھری 10۔ میں۔ میں = ہم 11۔ عشق سمندر 12۔ ایڈم اور میں 13۔ ادھورا مقدمہ 14۔ مس للّی 15، دنیا اب بھی خوب صورت ہے 16۔ ابنِ سقراط 17۔ رائونڈ اباوٹ 18۔ بھورا بیل 19۔ تھوک

1۔ تانیثیت کے تناظر میں لکھے جانے والے افسانوں کا جائزہ:

مصنفہ کا شمار بھی ادب کے ان سنجیدہ نقادوں میں ہوتا ہے جو تنقید میں ایک باوقار مقام رکھتی ہیں۔ ڈاکٹر حمیرا اشفاق کی کتاب "کتابوں کے درمیان" افسانہ نگار بننے کا تنقیدی عمل ہی نہیں بلکہ ان مردہ سماجی رویوں کو جھنجھوڑنے کی پکار ہے۔ اپنے آپ کو قبرستان جیسے سماجی تعطل کے حوالے کرتے ہوئے ہر افسانہ سنجیدہ سوالات اٹھاتا نظر آتا ہے۔

ڈاکٹر حمیرا اشفاق خود اپنی کہانیوں کے بارے میں کہتی ہیں کہ:

> "میں نے بغیر کسی تکنیک کا سہارا لیے اپنے اندر جنم لینے والے سوالوں کو کہانی کی شکل میں ڈھال دیا۔ زندگی اپنی تمام تر مکروہات کے باوجود رشتوں کے رنگوں سے خوبصورت بن جاتی ہے۔ میں نے ان رشتوں میں چھپی ان رمزوں کو ماپنے کی کوشش کی۔(5)

تانیثیت، اس کی اقسام، تانیثیت کے آغاز و ارتقاء، انگریزی و اردو ادب میں تانیثیت کے رجحان کا ذکر ہم پہلے باب میں کر چکے ہیں، اب ہم افسانوی مجموعہ "کتبوں کے درمیان" میں تانیثیت کے تناظر میں لکھے جانے والے افسانوں کا جائزہ لیں گے۔ تانیثیت کے تناظر میں لکھے جانے والے افسانے درج ذیل ہیں۔

- گلاب
- مٹی، مٹکے، سونا
- روشنی کا سفر
- حصار
- جادوگر
- کتبوں کے درمیان
- بھاگ بھری
- میں-میں = ہم
- عشق سمندر
- ادھورا مقدمہ
- مس للّی
- دنیا اب بھی خوب صورت ہے
- راؤنڈ اباؤٹ
- تھوک

- **گلاب:**

تانیثی تناظر میں لکھا جانے والا افسانہ "گلاب" ہے۔ جس میں انھوں نے پاکستانی معاشرے کی عکاسی کی ہے، رات کے اندھیرے کو بیان کرتے ہوئے بتایا ہے کہ عورت کیسے رات کے اندھیرے میں کام کر رہی ہے۔ اس کی گھریلو مجبوریاں اس کو رات کی تاریکی کا احساس تک نہیں دلاتی۔

اس افسانے میں ڈاکٹر حمیرا نے عورت کی بے بسی کو مختلف کرداروں کے ذریعے بیان کیا ہے۔ عورت چاہے کنواری ہو، شادی شدہ یا بیوہ وہ مرد کے ماتحت ہے۔ اس معاشرے میں مرد کا کام صرف پیسہ کمانا ہے۔ جب کہ عورت کے ذمے گھریلو ذمہ داریاں بھی ہیں اور باہر کی بھی۔ یہ ذمہ داریاں نبھاتے نبھاتے عورت کی اپنی ذات کہیں کھو جاتی ہے۔

"بڑی مدت کے بعد اپنے آپ سے ملاقات کا موقع ملا تھا۔ مگر اب تو
اپنی جگہ بھی رضوان کھڑا تھا۔"(6)

یہ افسانہ عورت کی ذمہ داریوں، اس کی مشقت کو بیان کرتا ہے کہ کیسے عورت باہر کی ملازمت کے ساتھ گھریلو ذمہ داریاں بھی سرانجام دیتی ہے اور فکرِ معاش میں مرد کے شانہ بشانہ کھڑی نظر آتی ہے۔ لیکن پھر بھی اسے معاشرے میں عزت نہیں ملتی اس کے باوجود مرد گھر کی کسی ذمہ داری میں اس کا ساتھ نہیں نبھاتا۔ عورت گھر میں بھی نوکر اور باہر بھی نوکر..... عورت کا مقدر غلامی ہے۔

" کبھی تم نے بلی کو بچے دیتے دیکھا ہے؟"
"ہاں میری ڈیوڑھی میں اس نے پچھلے سال چار
بچے دیئے تھے....."
" کبھی اتنے دنوں میں کوئی بِلّا آس پاس آتا دکھائی
دیا، کیا بچے صرف مادہ ہی کے ہوتے ہیں۔
وہ کیسے بن آنکھوں کے بچے اٹھائے اٹھائے
پھرتی ہے۔ بچے پالنا کیا صرف مادہ کا کام ہے؟"
"اور نر کا کام صرف عیاشی کرنا(7)

مصنفہ نے اس افسانے میں عورت کے مسائل کو بخوبی کو بیان کیا ہے کہ عورت کس طرح مرد کے لیے خود کو قربان کر دیتی ہے۔ دن رات ایک کر کے وہ گھر کے اور باہر کے کام سر انجام دیتی ہے اور اس کے بدلے میں عورت کو صرف طعنوں سے نوازا جاتا ہے۔

ڈاکٹر نوشین قمر اس سلسلے میں کہتی ہیں کہ:

> ڈاکٹر حمیرا اشفاق نے اپنے ہر افسانے میں الگ پیغام دیا ہے۔ آپ کا ہر افسانہ تانیثیت کے تناظر میں معاشرے کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتا ہے۔ڈاکٹر حمیرا کا ہر افسانہ معاشرتی حقائق کو بیان کرتا ہے۔ یہ افسانے زندگی کا مقصد فراہم کرتے ہیں اور دنیا کے متعلق اچھی امیدیں دلاتے ہیں۔(8)

اپنے اس افسانے میں حمیرا اشفاق نے عورتوں کے مسائل کو بھی بیان کیا ہے۔ انھوں نے ایک خود مختار اور ذمہ دار گھر داری نبھانے والی دو الگ عورتوں کو اپنے افسانے کا حصہ بنایا ہے۔ ایسی عورت جس کو اپنے خاوند کی طرف سے اپنائیت کا احساس زیادہ ملے تو وہ زیادہ سنور جاتی ہے۔ یہاں تک کہ "گلاب" کی طرح کھل جاتی ہے۔

- **مٹی، مٹکے، سونا:**

"مٹی، مٹکے، سونا" تانیثیت کے تناظر میں لکھا جانے والا دوسرا افسانہ ہے۔ یہ افسانہ ایک ایسی عورت کی داستان بیان کرتا ہے جو غم کا شکار ہے۔ زندگی بھر کی قربانیاں اسے اپنے خاندان سے دور لے جاتی ہے، مصنفہ نے محنت کے المیے کو خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔ عزیز و اقارب اس کی آخری سانس تک مشہور مفروضہ (سونے کی اینٹ) سے چمٹے رہے۔

عمر بھر امیر بی بی صرف نام کی امیر رہی۔ بچوں کی خاطر اپنی زندگی مشکلات میں بسر کی۔ لیکن بچے آخری وقت تک سونے کی تلاش میں تھے۔ انھیں اپنی ماں کے مرنے کی فکر نہ تھی، فکر تھی تو بس یہ کہ سونا کی اینٹ کہاں ہے۔ اس بات پر بچے اپنی ماں سے ناراض تھے کہ آخری وقت میں بھی امیر بی بی (ماں) نے انھیں سونے کا پتہ نہ بتایا۔ امیر بی بی کا کردار ایسا کردار ہے ۔ جس نے اپنے شوہر کی وفات کے بعد تمام تر ذمہ داریوں

کو نبھایا لیکن اسے اتنی محنت کا صلہ کچھ حاصل نہ ہوا۔ اس افسانے میں بتایا گیا ہے کہ سخت محنت کا صلہ امیر بی بی کی اولاد تک اسے نہیں دے پاتی۔ امیر بی بی کی محنت اور مشکلات کے بر عکس مال و دولت رشتوں کے لیے اہم ہو گئی۔

"گلاں میرے پاس کوئی سونے کی اینٹ نہیں ہے"
گلاں! مٹکے ۔۔۔۔ مٹی ۔۔۔۔۔ سونا
سانس کی سیٹی خاموش ہو گئی تھی۔(9)

اس افسانے میں امیر بی بی کی مراد دولت والا سونا نہیں تھی بلکہ گاؤں کی قیمتی فصلوں والا سونا تھا۔ حمیرا اشفاق نے اپنے اس افسانے میں دولت کے پجاری دکھائے ہیں اور یہ بتایا ہے کہ امیر بی بی کے بچوں کے نزدیک ماں سے زیادہ سونے کی قدر و قیمت تھی اور ماں کے آخری وقت میں بھی ماں کی قربانیوں کو یاد کرنے کی بجائے وہ سونے کی کھوج میں پریشان تھے۔

- روشنی کا سفر:

اس افسانے میں ڈاکٹر حمیرا نے جاگیردانہ اور سرمایہ دارانہ نظام میں خواتین کے لیے تعلیم کے لیے بند دروازے کو موضوع بنایا ہے۔ اس کہانی کا اہم کردار بھی ایک عورت ہے اور یہ ہی اس افسانے کا معاون کردار بھی ہے۔ وہ ایک گاؤں کی تمام لڑکیوں کو چیلنج کرتی ہے اور سکول کا راستہ دکھاتی ہے۔

"سندھ کی بیٹی ہوں، مجھے زمین میں بھی گاڑ دو گے تو میں کسی اور
طرف سے راستہ بنالوں گی۔"(10)

دوسری جانب حمیرا اشفاق ناول 'روشنی کا سفر' میں وڈیرہ سسٹم پر تنقید کرتی نظر آرہی ہیں۔ خاص طور پر مظلوم عورت اور یکساں نظام رکھنے والوں کی سوچ کو بیان کیا گیا ہے، اس کے ساتھ مردوں کی اس سوچ کو بھی بیان کیا ہے جس میں مردوں کا یہ گمان ہوتا ہے کہ عورت اگر تعلیم حاصل کر لے تو وہ بدلحاظ اور بے شرم

ہو جاتی ہے، اس لیے عورتوں کے تعلیم حاصل کرنے پر مکمل پابندی ہونی چاہیے۔ ایک مرد جو باپ، بھائی اور شوہر کے روپ میں عورت کا تحفظ کرتا ہے، اس کا محافظ ہوتا ہے۔ اس افسانے میں ایک بھائی اپنی بہن کو مارتا پیٹتا ہے اور کمرے میں بند کر دیتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ سکول نہیں جائے گی، اگر یہ سکول گئی تو بھاگ جائے گیاور گھر کی عزت نیلام کرے گی اسے گھر میں رہنے دیں۔ یہی سب کا فیصلہ ہے۔

"یہ نہیں جائے گی سکول شکول ۔۔۔۔۔۔۔ ساری پنچائیت کا

اب اگر یہ گھر نہ بیٹھی تو برادری سے باہر سمجھو اماں۔" (11)

اس افسانے میں بتایا گیا ہے کہ عورتوں کو بہت چھوٹی حیثیت کا سمجھا جاتا ہے۔ یعنی عورت کا کوئی فیصلہ نہیں ہوتا۔ مردوں کے ماتحت زندگی گزار دیتی ہے۔ مصنفہ نے اس افسانے میں تعلیم کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے۔ اور مزید یہ بھی بتایا ہے کہ کیسے وڈیرا نظام اپنی غلطی اور کوتاہیوں کو چھپانے کے لیے عورتوں کی تعلیم کے خلاف ہیں۔ کیونکہ انھیں ڈر ہے کہ اگر عورت پڑھ لکھ گئی تو ان کے گناہوں سے پردہ اٹھائے گیاور ان کی عزت مٹی میں مل جائے گی ۔ یہ عورتوں کو چار دیواری میں قید کرنا چاہتے ہیں۔ اس افسانے میں ایک حکیمانہ صفت عورت تعلیم کے بند کواڑوں کو کھلتی ہے پھر مردہ معاشرے میں روشن مستقبل کی کرنیں اندھیروں کو اجالے میں بدلنے کی امید دلاتی ہیں۔

- جادوگر:

ڈاکٹر حمیرا اشفاق نے افسانہ "جادوگر" میں مکمل مکان کے باوجود انسان کی بے وفائی کو خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔ منظور کو اس کے خاندان کی طرف سے اس پر ڈالی گئی ذمہ داری میں کبھی سکون نہیں ملتا۔ ہمارا معاشرہ ایسے واقعات سے بھرا پڑا ہے جہاں مرد گھر کے اندر اور باہر سکون تلاش کرتا ہے تو دوسری طرف عورت بعض اوقات سب کچھ جاننے کے باوجود مرد کی ذرا سی محبت یا توجہ سے اس پر یقین کر لیتی ہے۔ اگر کہا جائے کہ مرد عورت کی نفسیات سے کھیلنے میں خود کو ماہر سمجھتا ہے تو غلط نہ ہوگا۔

"نازیہ! میرا قصور نہیں ہے وہ تو فرحانہ نے خود ہی ۔۔۔۔۔۔۔ اپنا سر
میرے کندھے پر رکھ دیا تھا۔ مجھے تو کچھ پتا ہی نہیں چلا۔" پتہ نہیں مجھے
کیا ہو گیا تھا۔ میرا دماغ خراب ہو گیا تھا۔۔۔۔۔۔۔"(12)

مرد کو یہ لگتا ہے کہ عورت اس کی چکنی چپڑی باتوں میں آگئی ہے لیکن عورت صرف اپنے گھر کو بچانے کی خاطر خاموش رہتی ہے تاکہ اس کا گھر بچا رہے۔ لیکن مرد پھر بھی جھوٹ کا لبادہ اوڑھے رکھتا ہے اور اپنی بیوی سے بے وفائی کرتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں اس طرح کے واقعات ہر دوسرے، تیسرے گھر میں دیکھنے کو ملتے ہیں۔ دوسری طرف ایسی عورت جو مرد کے بارے میں سب کچھ جانتے ہوئے بھی اس کی جھوٹی تعریف اور محبت کے دو بول سن کر ایک ایسی عورت کا گھر تباہ کر دیتی ہے جو اپنے گھر کو مکمل کرنے میں صدیاں لگا دیتی ہے۔ اس افسانے میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ عورت ہی عورت کی دشمن ہوتی ہے۔ ایسی کہانیاں ہمارے معاشرے میں بھری پڑی ہیں اور ہمیں ہر دوسرے تیسرے گھر میں نظر آتی ہیں۔

- بھاگ بھری:

یہ افسانہ ایک ایسی بوڑھی عورت کی خود کلامی کو بیان کرتا ہے جس کے بچے ذاتی ترقی کے لیے شہر چلے گئے ہیں لیکن وہ پھر بھی رات کو گاؤں کے صحن میں چارپائیاں بچھا کر سب کو خیالوں کی دنیا میں نیند سلا دیتی ہے۔ وہ اپنے معمول کے دور کے بیٹوں اور بیٹیوں کو آوازیں دے کر جگاتی ہے۔ ماں گاؤں کی باتوں میں دن گزارتی ہے۔ کہانی پوچھتی ہے کہ اگر ماں رخصت ہوتے ہوئے بھی اپنے بچوں کو نہیں بھولتی تو بچے ماں کو کیوں بھول جاتے ہیں؟

اب اُٹھ بھی جا نواز!
دیکھ سورج نکل آیا ہے۔
بہت دیر ہو گئی۔
اب تو بڑا ہو جا۔
نوکری والا بندہ ہے تو
دفتر تو وقت پر نہیں جائے گا

تو کوئی بھی نہیں آئے گا کیا۔
چل سو تارہ،
میرا کیا ہے
خود ہی بڑے افسر سے جھاڑ پڑے گی۔
کسی دن دیر سے جانے پر، پھر خبر لگے گی تجھے(13)

مصنفہ نے اپنے اس افسانے میں ایک بوڑھی ماں کی داستان بتائی ہے کہ ایک ماں کیسے اپنی ساری زندگی لگا کر اپنی اولاد کو پالتی ہے، لیکن جب اولاد بڑی ہو جاتی ہے تو وہ کیسے اپنی ماں کو چھوڑ کر چلی جاتی ہے اور انھیں اپنی ماں کو بھولنے میں ذرا سا بھی وقت نہیں لگتا۔ اسی کے ساتھ حمیرا اشفاق نے افسانہ" بھاگ بھری "میں اولاد کی بے رخی اور دنیا کی رنگینیوں میں محنت کرتی عورت کو پیچھے چھوڑنے کی کہانی کو بیان کیا ہے۔ماں کا کردار نبھانے والی عورت کئی ارمانوں کے ساتھ اولاد کو پال پوس کے اس مقام تک پہنچاتی ہے جہاں وہ ان کو کامیاب دیکھنا چاہتی ہے لیکن بے حس خونی رشتے اپنی کامیابی میں ماں کو کہیں دور چھوڑ دیتے ہیں۔

- میں-میں= ہم:

مندرجہ بالا بیان ایک سماجی سچائی کا عکاس ہے۔ مشرقی معاشروں کا عمومی رویہ یہ ہے کہ عورت کی ضرورت کا خیال ایک معاشرتی اور اخلاقی فریضہ ہے۔ معاشرے کی اکثریت خواتین کی خواہشات کی تکمیل کو اپنا فرض نہیں سمجھتی اور خواہش کو جاننا بھی ضروری نہیں سمجھتی۔ روایتی معاشرے اسی جمود کا شکار ہیں۔

"میں نے پیار بھری مسکراہٹ کے ساتھ اس کی طرف دیکھا لیکن اس کے چہرے پر بیزاری نمایاں تھی، میں نے ایک پھول کی شاخ اٹھائی۔ دیکھو کتنا خوبصورت ہے۔
بکواس
فضول ہے نہ خوشبو اور نہ کوئی استعمال کوئی کام کی چیز لو"(14)

عورت کی زندگی مرد کی ضروریات کو پورا کرتے کرتے خالی پن کا شکار ہو جاتی ہے۔ آہستہ آہستہ بے رنگی کا احساس بڑھنے لگتا ہے۔ نہ رنگ معانی رکھتے ہیں نہ پھول نہ ہی خوشبو۔ حیرت کی بات تو یہ ہوتی ہے کہ مرد کو اس بات کا احساس بھی نہیں ہوتا۔ مصنفہ نے اس افسانے میں بتایا ہے کہ مرد کی نظر میں عورت بہت کمتر ہے۔ اس کی کوئی حیثیت نہیں، ان کی خواہشات مرد کے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ اس افسانے میں بتایا گیا ہے کہ مرد کی نظر میں عورت کی مادی ضروریات کو پورا کرنا ہی اس کا فرض ہے۔ اس کے علاوہ مرد کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔

- **عشق سمندر:**

اس افسانے میں ایک ایسی لڑکی "رفی" کی داستان بیان کی گئی ہے جو کہ ایک بے بس عورت ہے۔ جو اپنے غریب خاندان کی کفالت کرتی ہے اور آخر میں امیر بھیڑیوں کی ہوس کا نشانہ بن جاتی ہے۔ ہمارا معاشرہ میں ایسے بہت سے واقعات ہیں، جس میں مرد اپنے پیسے پر غرور / گھمنڈ کرتے ہوئے عورت کو اپنی زیادتی کا نشانہ بناتے ہیں۔ کج بوائری کا شکار عورت اپنے مشکل سفر میں بکھرے ہوئے کانٹے آخر کار اپنے اندر ضرب کر لیتی ہے۔ آخر کار عورت زمانے سے ہار جاتی ہے، اس زمانے میں عورت کی راہ میں کانٹے بکھیرنے والے کو کوئی سزا نہیں دی جاتی۔

> "رفی سرپٹ دوڑ رہی تھی اور ایک ویران سڑک پر کسی سمندر سے ٹکرانا چاہتی تھی۔ کوئی خود سے بڑا اسے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اسے اپنے آپ میں شامل کر لے۔ وہ جون میں ڈوب جائے، ایسا صحرا جو اپنے جسم کی طرح پھیل جائے، رفی بھنور میں کھو گئی"۔(15)

- **ادھورا مقدمہ:**

اس افسانے میں بتایا گیا ہے کہ غریب پستے پستے فنا ہو جاتے ہیں اور انھیں انصاف بھی نہیں ملتا اور یہ افسانہ ایسے سفر کی داستان ہے جس میں ایک لڑکی کی زندگی کا سفر شروع کرنے سے پہلے ہی اسے ختم کر دیا جاتا ہے۔ یہ کہانی ہمارے معاشرے کی داستان ہے جس میں اگر کوئی شخص حق کے لیے آواز اُٹھاتا ہے تو اس کی

آواز کو بند کر دیا جاتا ہے۔اس طرح کے کردار روز ہمیں سڑکوں پر چلتے پھرتے نظر آتے ہیں، کبھی تھانوں میں، کبھی ہسپتالوں میں اور کبھی کچہریوں میں۔ طاقت کے نشے میں کون، کب،کسے گولی مار دے کوئی پوچھنے والا ہی نہیں ہے۔یہی وجہ ہے کہ ایسے لوگوں کی جڑیں مضبوط سے مضبوط تر ہوتی جارہی ہیں۔ ایسے میں اگر کوئی ان کے خلاف آواز اٹھانے کی کوشش کرے تو وہ مقدمہ اس کی زندگی کا آخری مقدمہ بن جاتا ہے، جہاں اس کی زندگی کو ختم کر دیا جاتا ہے اور وہ اپنی جنگ ہار جاتا ہے۔

- مس للی:

مصنفہ کچھ عرصہ لندن میں قیام پزیر رہیں۔ انھوں نے اپنے افسانوں میں وہاں کے معاشرے اور دو مختلف طرح کے لوگوں کے درمیان تعلقات کو ان کے ناول "مس للی" میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ افسانہ اس معاشرے کا المیہ بیان کرتا بھی ہے جہاں دوہری جنس سے پیدا ہونے والے بچے کو قبول نہیں کیا جاتا۔ ان کے والدین انھیں اپنے لیے شرمندگی کا باعث سمجھتے ہیں یا ہو سکتا ہے کہ اس صورتحال میں وہ لاتعلق ہونے کے ساتھ ساتھ خدا کی مخلوق کی توہین کر رہے ہوں۔

> "یہ للی نہیں ذوہیب ہے میرا چھوٹا بھائی ۔لوگوں کے طعنوں
> سے بچنے کے لیے اسے ماموں کے پاس بھیج دیا گیا تھا وہ جانا
> نہیں چاہتا تھا"(16)

مس للّی کا کردار قاری کو جھنجھوڑ کے رکھ دیتا ہے اور معاشرے کی حقیقت کو کھل کے عیاں کرتا ہے۔ جہاں معاشرے کی نگاہوں، طعنے بازیاور فضول سوالوں سے بچنے کے لیے ایسے بچوں سے نفرت کرنے لگتے ہیں یا انھیں گھر سے نکال دیتے ہیں۔ مگر ایک تکلیف دہ کیفیت روزانہ ایک نئی صورت اختیار کرتے ہوئے سامنے آجاتی ہے اور انسان بے بس ہو جاتا ہے۔

اس افسانے میں ڈاکٹر حمیرا معاشرے کی حقیقت "مس للّی" کے کردار میں بیان کرتی ہیں اور کہتی ہیں کی آج کے دور کا یہ عالم ہے کہ والدین اپنی ہی اولاد کو اللہ کی مرضی سے مخنث (Transgender) پیدا ہوتی ہے۔ اسے عزت و اہمیت نہیں دیتے بلکہ ایسی اولاد کو اپنے لیے اور اپنی باقی اولاد کے لیے رکاوٹ کا باعث سمجھتے ہیں اور انھیں گھر سے نکال دیتے ہیں۔ اس تیسری جنس کو اپنی زندگی بھرپور جینے کا مکمل حق ہونا چاہیے۔

- دنیا اب بھی خوبصورت ہے

اس افسانے میں نازو کے ساتھ ہوئی اذیت بھری داستان بیان کیا گیا ہے اور عورت کو مظبوط دکھایا گیا ہے۔ یعنی ایک عورت اپنے حق کے لیے آواز اٹھا سکتی ہے۔ اس افسانے میں بتایا گیا ہے کہ جیسے مرد کسی دوسرے مرد کے ساتھ اپنی بیوی کے تعلق کو برداشت نہیں کرتا تو عورت بھی ایسے شخص کے ساتھ نہیں رہے گی جو کسی دوسری عورت کے ساتھ بھی رشتہ رکھے۔ نازو ایک ایسا کردار ہے جو گاؤں میں ہونے والی مختلف رسموں گیت گاتی، رونق لگاتی، خوشی ہو یا غم، ہر موقع پر ہر ایک کے ساتھ ہوتی۔ لیکن اس کے شوہر کے چلے جانے کے بعد سارے لوگ نازو کو غلط سمجھ رہے تھے کہ اس کا شوہر آخر اسے کیوں چھوڑ گیا۔ اس طرح ایک مرتبہ کسی نے اس سے پوچھا کہ اس کا شوہر اسے چھوڑ کر کیوں بھاگ گیا۔

اقتباس ملاحظہ ہو:

> "اسی بات پر وہ طیش میں آگئی اور گاؤں کے تمام لوگوں کے کرتوت کھول کر بیان کر دیے۔ کہنے لگی جھوٹا کھانا کھا سکتی ہوں، اُترن پہن سکتی ہوں لیکن جھوٹے مرد کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔ اس نے مجھے نہیں چھوڑا۔ میں نے اسے چھوڑا ہے۔"

اس افسانے میں مصنفہ نے عورت کی غیرت کو موضوع بنایا ہے۔ جس کا مرکزی کردار نازو ہے۔ جسے ایک باہمت اور حق پر ڈٹ جانے والے کردار کے طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ اس افسانے میں بتایا گیا ہے کہ اگر شوہر اپنی بیوی کے ساتھ وفادار نہیں رہتا تو آج کے معاشرے میں عورت بھی باشعور ہو گئی ہے اور وہ اپنے لیے حق کی آواز کو بلند کرنا جانتی ہے۔

- راؤنڈ اباؤٹ

سترھواں افسانہ راؤنڈ اباؤٹ سلطنت کی تخلیق اور جنگ کا منظر نامہ پیش کرتا ہے۔ڈاکٹر حمیرا اشفاق نے اس افسانے کے ذریعے کہا ہے کہ ہمارے ارد گرد اب بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو عورت کو صرف ایک مشین سمجھتے ہیں اور خود کو بادشاہ سمجھ کر حکم جاری کرتے ہیں۔کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے بچے کو جنم دے سکتی ہے لیکن اسے اس کا کوئی حق نہیں ہے۔اس افسانے میں بتایا گیا ہے کہ آج بھی سماج میں جاہلیت موجود ہے۔ عورت کو اس کا جائز مقام نہیں دیا جاتا۔عورت پہلے کی طرح اب بھی بے بس ہے اور اس کی پہچان صرف مرد سے منسوب ہے۔

> "وہ بھول گئی تھی کہ وہ اس کی گود کے رنگوں کی خالق ہے، مالک نہیں۔اگر عورت تنہا ہے تو اس کی کوئی قدر و منزلت نہیں ہے، وہ آج بھی مرد کے نام و نسب سے پہچانی اور جانی جاتی ہے."(17)

مصنفہ نے ایسی کہانی کو موضوع بنایا ہے۔جس میں عورت کا وجود ایک سوالیہ نشان ہے۔ہم ایسے معاشرے کا حصہ ہیں جہاں اکیلی عورت کتنی ہی شریف کیوں نہ ہو اگر وہ تنہا ہے تو ایسی عورت کی کوئی قدر ومنزلت نہیں۔ ہمارے معاشرے میں آج بھی عورت مرد کے نام ونسب سے پہچانی جاتی ہے۔یعنی اولاد بھی باپ کے نام سے جانی جاتی ہے۔ عورت چاہے اپنی اولاد کے لیے کتنی قربانیاں دے دے لیکن اولاد پر اسے کوئی اختیار حاصل نہیں ہوتا۔

- تھوک :

افسانوی مجموعہ "کتبوں کے درمیان"کا آخری افسانہ .. ہمارے معاشرے کا جاگیر دارانہ نظام اس تھوک سے جھلکتا ہے۔یہ افسانہ ایک کا اخلاقی تجزیہ ہے دو کلاسز کا۔اس میں کہا گیا ہے کہ جاگیر دار غریب کے

لیے دو وقت کی روٹی پر گزارہ کرنا بھی مشکل کر دیتے ہیں اور مج بوائر لوگ ان کی ہوس کا نشانہ بن جاتے ہیں۔ اس افسانے میں کچھ طبقوں کے اخلاقیات کو پیش کیا گیا ہے۔ایک طرف تو وڈیرے غریب عوام کو رہنے تک کی جگہ تک نہیں دیتے اور دوسری طرف دو وقت کی توٹی پر گزارا کرنے والی والی وعام کو اپنی جاگیر سمجھ کر ان کی عزت خراب کر دیتے ہیں۔

"بھئی کون ہے ؟" بڑے چوہدری کی بھاری آواز نے اسے دہلا دیا۔
"جی میں ہوں زینو!"
"ہاں ہاں اندر آجا باقی سب ابھی سو رہے ہیں۔"
"یہ جامن دینے آئی تھی۔ چھوٹی بی بی نے منگوائے تھے۔"
"ہاں شاباش، جامن تو بہت میٹھے ہیں۔" بڑے چوہدری نے جگ میں جھانکتے ہوئے کہا۔
"لیکن ان کی ایک خرابی ہوتی ہے۔اس کے داغ بہت پکے ہوتے ہیں۔یہ دیکھو میری سفید دھوتی پر پچھلے سال کا داغ ابھی تک باقی ہے" زینو آگے کی طرف لے کر جھکی، مگر دوسرے ہی لمحے ایک دم پیچھے ہٹی۔
غصے میں غراتے ہوئے اس نے بڑی سی تھوک چوہدری کی طرف اچھال دی۔(18)

مجموعی طور پر افسانوں کو پرکھا جائے تو مصنفہ نے یہ تمام مسائل تانیثیت کے تناظر میں لکھے ہیں۔ "کتبوں کے درمیان" افسانوی مجموعے کے افسانوں میں ایسے سوالات کیے گئے ہیں جن میں انسان کھو کر رہ جاتا ہے اور خود سے سوال کرنے پر مج بوائر ہو جاتا ہے، آخر ااس کے پیچھے وجوہات کیا ہیں اور یہ ہمارے معاشرے ہی میں کیوں موجود ہیں۔روزمرہ کی زندگی میں ہمارے اردگرد جو بھی ہوتا ہے وہ ان افسانوں کے ذریعے بیان کیا گیا ہے۔ مصنفہ نے ایسی کہانیاں پیش کی ہیں جن کا غیر فطری زندگی سے کوئی تعلق نہیں جو حقیقی ہیں لیکن انتہائی بے حسی کے باعث ہم اسے نظر انداز کر دیتے ہیں اور دبا دیے جاتے ہیں اور مسکراتے چہرے خاک میں مل جاتے ہیں

2۔ تانیثیت کے تناظر میں کرداروں پر ایک نظر:

ڈاکٹر حمیرا اشفاق کے افسانے وں میں بیان کیے کردار حقیقی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں، مصنفہ نے افسانوں میں جو سوال کیے ہیں وہ سوالات اس معاشرے کی اقدار پر سوال کرتے ہیں۔ ان کے کردار زمینی ہیں۔ کسی بھی افسانے میں کوئی مافوق الفطرت کردار ایسا نہیں جو اس معاشرے کا حصہ نہ ہو یا اس میں موجود نہ ہو۔ ڈاکٹر صاحبہ انسانی جذبات، احساسات اور رشتوں کو مارنے کی قیمت پر ترقی کو قبول نہیں کرتی۔ وہ بدلتے ہوئے مادی حالات کی وجہ سے انسانی رویوں میں تبدیلی کی شکایت کرتی ہیں۔

جب وہ لندن کی گلیوں میں گھومتی تھی، اپنے افسانوں کی منصوبہ بندی کرتے ہوئے وہ کرداروں کی تلاش کرتی رہی۔ وہ ملتان کے ایک گاؤں، سندھ کے گوٹھ اور اسلام آباد کے پہاڑی علاقوں کی صاف ہوا میں بھی افسانے ڈھونڈتی ہیں۔ ڈاکٹر حمیرا اشفاق کو پڑھتے ہوئے قاری اگلے افسانے سے چمٹ جاتا ہے اور بالکل مایوس نہیں ہوتا۔ مصنفہ کے افسانوں کی یہ کتاب بہت جامع ہے، جس میں مصنفہ نے معاشرے کے تمام حقائق اور چیلنجوں کا سامنا کیا ہے۔ افسانے کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ جھوٹی کہانی پر مبنی ہوتا ہے، مصنفہ کے سارے افسانے ان کے ذاتی تجربے پر مبنی ہیں۔ جو اس بات کا عکاس ہیں کہ یہ سارے افسانے حقیقی ہیں۔

1. افسانہ گلاب میں تانیثی کردار:

اس افسانے میں بیان کیے گئے سارے کردار اپنی مثال آپ ہیں۔ حمیدہ بھنگن، مس عطرت اور ماریہ اس افسانے کے اہم کردار ہیں۔ اس افسانے کا سب سے اہم اور ضروری کردار مس عطرت کا ہے۔ یہ ایسا کردار ہے جو عورت کی مکمل آزادی کے بارے میں بات کرتا ہے۔ مس عطرت کے نزدیک شادی ایک ایسا جنجال ہے جس کے بعد عورت کی اپنی کوئی مرضی باقی نہیں رہتی۔ وہ جاگے تو کسی اور کی مرضی سے، سوئے تو کسی اور کی مرضی سے۔ اس کردار کے نزدیک مرد صرف عیش کے لیے پیدا ہوا ہے، جبکہ عورت کے مقدر میں غلامی ہے، عورت گھر میں بھی نوکر ہے اور گھر سے باہر بھی۔

تانیثی تناظر میں اس افسانے کا دوسرا اہم کردار ماریہ کا ہے۔ ماریہ اپنے گھر کی ذمہ داریوں میں کھو کر اپنے آپ کو بالکل ہی بھول چکی ہے۔

اسی حوالے سے ڈاکٹر سمعیہ چغتائی کہتی ہیں کہ:

"عورت اپنی ذات کی نفی کر کے گھر کی ذمہ داریوں میں ایسے الجھتی ہے کہ اس کے لیے اس کی کل دنیا اس کا شوہر، بچے اور گھر ہوتا ہے۔ اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کی خواہش میں بعض اوقات عورت اپنی ذات کو بالکل فراموش کر دیتی ہے۔ لیکن کسی کو بھی اس بات کا قطعی احساس تک نہیں ہوتا۔ جبکہ مرد کی دنیا بہت وسیع ہوتی ہے۔ اسے ایک اچھی شادی شدہ زندگی کے لیے ایک گھر (بیوی) کی ضرورت ہوتی ہے اور بیوی سے محبت بھری باتیں کرنا اسے معیوب لگتا ہے، ایسا ہی حال ہمیں اس افسانے میں نظر آتا ہے۔ جہاں ایک عورت اپنی ذات کی مکمل نفی کرتی ہے اور اس کے شوہر کو اس بات کا احساس بھی نہیں۔"(19)

2۔افسانہ "مٹی، مٹکے اور سونا" میں تانیثی کردار:

اس افسانے کا اہم کردار امیر بی بی کا ہے۔ امیر بی بی کے چھ بہن بھائی تھے۔ لیکن امیر بی بی کی خوش قسمتی کی وجہ سے انھیں گھر میں سب سے زیادہ اہمیت دی جاتی تھی۔ امیر بی بی بھری جوانی میں ہی بیوہ ہو گئی تھیں۔ شوہر کے انتقال کے بعد بڑی محنت، مشقت کر کے امیر بی بی نے اپنے بچوں کی پرورش کی۔ اس کی موت کے وقت ان کی اولاد کو اس سونے کی فکر تھی۔ لوگوں کا کہنا تھا کہ امیر بی بی کے پاس بہت سونا ہے۔ امیر بی بی کے آخری سفر پر روانہ ہونے کے بعد ان کی اولاد سونا تلاش کرتی رہی۔

"اچانک مجھے یہ پہیلی سمجھ میں آگئی کہ مٹی......سونا
......مٹکے سے کیا مراد ہے۔ میں کھاد کی فیکٹری کی
کھاری فضا کا مکین، مشین کا ایک پرزہ یہ پہیلی بوجھ بھی
لوں تو کیا فائدہ"(20)

3۔افسانہ "روشنی کا سفر" میں تانیثی کردار:

سمی کا کردار ایک متحرک کردار ہے جو تعلیم حاصل کرنے کے لیے آواز بلند کرتی ہے۔ لیکن اسکی آواز کو دبانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ تعلیم حاصل کرنے کے لیے سمی کا آواز اُٹھانا، اسے سب کی نظروں میں باغی بنادیتا ہے اور اسے کمرے میں بند کر دیا جاتا ہے۔

اس افسانے میں دادی لیلاں کا کردار نہایت اہم ہے۔ اگر ہمارے معاشرے میں ''دادی لیلان'' جیسا کردار ہو تو رہنمائی کے ساتھ ساتھ مثبت سوچ کی بھی حوصلہ افزائی ہو سکتی ہے۔ دادی سمی کو اس بات کا یقین دلاتی ہیں کہ کل سے سب سکول جائیں گے۔

> "سمی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے" یہ بوجھ ہے نہ تیرا چل
> مجھے دے دے۔ چل خوش ہو جا۔"(21)

اس افسانے کے آخر میں گاؤں کی ایک عورت دادی لیلاں کا حوصلہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ ایک دادی لیلاں ایک حوصلہ مند خاتون ہیں اور بہت پر عزم ہیں۔ وہ اپنے فیصلوں کی بدولت مرد سے جیت جاتی ہیں۔ اگر دادی جیسی عورتیں اس سماج کا حصہ ہوں تو معاشرے کی صورتِ حال قدرے مختلف ہو آج کی صورتحال سے مختلف ہوتی۔

> "جہاں اندھیرا نہیں ہے وہاں صرف روشنی ہے۔ میں سندھ کی بیٹی ہوں۔
> اگر تم مجھے زمین میں دفن کر دو گے تو میں دوسری طرف راستہ بناؤں
> گا"(22)

4۔افسانہ "جادوگر" میں تانیثی کردار:

اس افسانے کا اہم کردار نازیہ کا ہے۔ جو اپنی زندگی کے پندرہ سال اپنے شوہر کے نام کر چکی ہے اور اس کے گھر کو جنت بنانے میں کوئی کسر بھی نہیں چھوڑی۔ لیکن اس کے باوجود اس کا شوہر منظور اپنے دوست کی بیٹی کو اپنی بیوی پر ترجیح دے رہا ہے۔ نازیہ کے منع کرنے کے باوجود وہ فرحانہ کو پڑھانے کے لیے حیلے بہانے بنا رہا ہے۔ نازیہ اس بات سے بہت ناراض ہے۔ لیکن وہ کچھ کر بھی نہیں سکتی، منظور یہ کہ کر اسے ٹال دیتا ہے کہ

ماریہ کے ماں نہ بننے کی وجہ سے وہ دوسری شادی کر سکتا تھا۔ لیکن ماریہ کی خاطر اس نے یہ قدم نہ اٹھایا۔ منظور کی وضاحتیں سن کر نازیہ تو سکون میں آ گئی تھی لیکن منظور نے ابھی تک فرحانہ سے تعلق ختم نہیں کیا تھا۔

"فرحانہ کا سر منظور کے کاندھے پر ٹکا ہوا تھا اور ہاتھ میں ہاتھ تھامے وہ اس کی موجودگی سے بے خبر تھے۔
وہ زور سے چلائی، منظور ......" یہ جادوگرنی"...... جملہ ادھورا چھوڑ کر کمرے سے باہر چلی گئ۔ فرحانہ بھی کھسیانی سی نکل گئی۔"(23)

5۔ افسانہ "کتبوں کے درمیان" میں تانیثی کردار

اس افسانے کا اہم کردار "زینو" کا ہے جس سے ایک وڈیرے کے بیٹے نے زبردستی نکاح کر لیا تھا۔ یہ نکاح نہیں تھا کتبہ تھا جس پر اس نے خود انگوٹھا لگایا تھا۔ مصنفہ نے اپنے اس افسانے میں اس طبقے کو تنقید کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ جس کی نظر میں عورت کی حیثیت ایک مشین کی طرح ہے۔ جس میں عورتوں کی زندگی کی کوئی خبر ہی نہیں ہوتی اور اسے کسی بھی فضول وجہ پر قتل کر دیا جاتا ہے یا ادلے بدلے کی صورت میں اذیت دے کر یا ونی بنا کر تکلیف دی جاتی ہے۔

"جب وڈیرے کی بیٹی وٹے سٹے کی پاداش میں سوکن بنی تو زینو کو مجرم جان کر جو سزا سنائی گئی وہ موت تھی۔"(24)

اس افسانے میں عورت کی مظلومیت کو بیان کیا گیا ہے کہ عورت کی خوشی یا غم سے کسی کو کوئی غرض نہیں ہوتا۔ وہ عورت کو کسی چیز کی مانند سمجھتے ہیں اور اپنی مرضی ہی سے استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ اس افسانے میں یہ بھی بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ عورت کو کسی بھی قسم کا سکون میسر نہیں ہوتا۔

6۔افسانہ "عشق سمندر" میں تانیثی کردار:

اس افسانے میں تانیثی تناظر میں پیش کیا جانے والا کردار "رفی" کا ہے۔رفی ایک متوسط طبقے سے تعلق رکھتی ہے اور اپنی گھریلو ضروریات پورا کرنے کے لیے ایک بیوٹی پارلر میں نوکری کرتی ہے۔ لیکن اپنی ضروریات پوری کرتے کرتے وہ اس معاشرے کے برے لوگوں کا نشانہ بن جاتی ہے۔

"رفی خاموش تھی، لیکن خیالوں میں کسٹمر سے لڑ رہی
تھی وہ ایشہ کے سامنے بھی تو شٹ اپ! یہ تمھاری
آخری وارننگ ہے نکال دوں گی تمھیں" (25)

7۔افسانہ "ادھورا مقدمہ" میں تانیثی کردار

شائستہ (فرضی کردار) ایک ایسی لڑکی کی کہانی ہے جو ہسپتال کے یونٹ برائے انتہائی نگہداشت میں موجود اپنی زندگی کے لیے موت سے لڑ رہی ہے۔اپنی بے خیالی میں وہ ایسے معصوم لوگوں کا مقدمہ لڑ رہی ہے۔جن کو اسلام آباد کی سڑک پر اندھی گولیوں نے شہید کر دیا تھا۔شائستہ کو ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اپنا پہلا مقدمہ لڑ رہی ہے۔

افسانے کے آغاز میں دکھایا گیا ہے کہ شائستہ کا بھائی اسے چھیڑتا ہے کہ ان غریبوں کا کیا بنے گا جن کا تم کیس لڑ رہی ہو۔ لیکن درحقیقت وہ کسی اور کا کیس نہیں بلکہ اس کا اپنا مقدمہ تھا۔ڈاکٹر نے صحافی کو بتایا کہ مرنے والوں کی تعداد 11 ہو گئی ہے۔

"میرے وجود سے لپٹی مشینوں نے بولنا شروع کر دیا مگر میں چپ
تھی۔اب ساکت آنکھیں بھی دھندلانے لگی تھیں نرس اور
ڈاکٹر نے سب کو باہر بھیج دیا۔ دو بجلی کے جھٹکوں نے رہی سہی
طاقت بھی ختم کر دی تھی۔ نبض اور دھڑکن کسی سکون کی وادی
میں جا بسی تھیں۔"(26)

9۔ افسانہ "مس للیّ" میں تانیثی کردار:

اس افسانے کا تانیثی کردار "مس للیّ" کا ہے۔ جو ایک "مخنث" ہے۔ "مس للی (ذوہیبؒ)" کو اس کی بہنیں اپنی شادی / مستقبل کی فکر میں نہ صرف گھر بلکہ ملک چھوڑنے پر مج بوائر کر دیتی ہیں اور وہ لندن منتقل ہو جاتا ہے۔ مصنفہ جب بہت عرصے بعد اپنی سہیلی سے ملتی ہے تو اس کو اپنے لندن کے سفر کی کہانی سناتی ہیں اور ساتھ ہی تصویریں بھی دکھاتی ہے مصنفہ اپنے لندن کے دوست گارنر اور مس للّی کا تعارف کرواتی ہے تو اس کی سہیلی نیلما کی آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں۔ نیلما ذوہیب کو اس حال میں دیکھ کر بہت پریشان ہوئی۔ اسے اپنی خود غرضی پر بہت ندامت ہوئی۔

"یہ للیّ نہیں ذوہیب ہے نہیں۔ شاید تمھیں غلط فہمی ہوئی
ہے۔ وہ تو اس نے مجھے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا۔ نہیں
مجھے غلط فہمی نہیں ہوئی۔ میں اپنے بھائی کو پہچاننے میں غلطی
کیسے کر سکتی ہوں۔" (27)

10۔ افسانہ "دنیا اب بھی خوبصورت ہے" میں تانیثی کردار:

اس افسانے کا اہم کردار "نازو" کا ہے۔ نازو لمبے قد، سانولی اور لمبے پراندے والی بارعب عورت تھی۔ کسی کی خوشی یا غم میں اس کے ساتھ ہوتی۔ خوشی کے موقع پر دعائیں دیتی، بلائیں لیتی، گیت گاتی اور جب کوئی مر جاتا تو اس کے لیے خوب روتی، بین کرتی۔ لیکن جب نازو کے شوہر نے اسے چھوڑ دیا تو لوگوں نے اس بات کا ذمہ دار نازو کو ٹھہرایا۔ نازو نے بس اتنا کہا کہ وہ جھوٹے مرد کے ساتھ نہیں رہ سکتی تھی۔ وہ عورت جو ہر ایک کے دکھ درد کی ساتھی تھی۔ اس کے مرنے پر کسی کو دکھ تک نہ ہوا۔

"آج وہ سب کے غموں میں غمگین اور سب کی خوشیوں میں
خوش ہونے والی پر گئی تھی تو کسی کو اس گم کا احساس تک

نہیں۔ وہ صرف موئی رہ گئی تھی۔ اگر وہ تھی ہی موئی تو اس
کو واقعی مر جانا چاہیے تھا۔"(28)

11۔افسانہ "راؤنڈ اباؤٹ" میں تانیثی کردار:

ڈاکٹر حمیرا نے اس افسانے میں ملازمت کرنے والی عورتوں کے مسائل کو بخوبی بیان کیا ہے۔ اس افسانے میں تانیثی حوالے سے بیان کیے جان والے کرداروں میں پہلا کردار نسرین کا ہے۔ نسرین کی بستی کی ہر عورت کام کرتی ہے اور مرد رکھوالی کرتا ہے۔ نسرین ایک مل میں ملازمت کرتی ہے۔ بچے کی پیدائش کے دس دن بعد ہی گھریلو مجبوائریوں کے باعث ملازمت پر چلی جاتی ہے۔ جس کے باعث اس کی بچی بیمار ہو جاتی ہے لیکن مل کا مالک اسے بچہ ساتھ لانے سے منع کر دیتا ہے۔ آخر کار نسرین کی بیٹی ماں کو تڑپتا چھوڑ کر اس دنیا سے چلی جاتی ہے دوسرا اہم کردار حاجرہ (فرضی نام) کا ہے جو اکیس سال کی نوجوان شوخ لڑکی ہے۔ وہ اپنے شوہر سے خلع لینا چاہتی ہے اور ساتھ ہی وہ اپنی بیٹی کو اپنی تحویل میں لینا چاہتی ہے۔ لیکن عدالت اسے خلع تو دے دیتی ہے لیکن اس کی بیٹی کو اس کے حوالے نہیں کرتی۔

تیسرا اہم کردار سارہ (فرضی کردار) کا ہے جو ملازمت کی کسی مجبوائری کے باعث لندن میں 6 ماہ سے موجود ہے۔ بچوں کی یاد نے اسے بے قرار کیا ہوا ہے۔ وہ چاہتی ہے کہ بچے کسی طرح اس کے پاس آجائیں۔ لیکن بچی کا پارسپورٹ بنانے کے لیے اس کے باپ کے اتھارٹی لیٹر کی ضرورت ہے۔ سارہ جو کہ دوسری شادی کر چکی ہے۔ وہ نہیں چاہتی کہ اس کی بیٹی کو پتا چلے کہ اس کا باپ "زین" نہیں بلکہ کوئی اور ہے۔

"زین حسن نے ہونٹ بھینچتے ہوئے کہا:
تم بیٹی کی خالق ہو لیکن مالک نہیں۔"(29)

12۔افسانہ "تھوک" میں تانیثی کردار"

اس افسانے کا مرکزی کردار "رجو" کا ہے کو ایک بارہ تیرا سال کی بچی ہے۔ رجو کو چوہدری کے بچے یہ کہ کر ٹیوب ویل سے نکال دیتے ہیں کہ یہ پلید ہے۔ ہم مصلیوں کے ساتھ نہیں نہاتے۔ چھوٹی چوہدرائن کے لیے

جامن لے کر جاتی ہو تو بڑے چوہدری اسے اندر بلا لیتے ہیں۔ چوہدری کی آواز اسے دہلا دیتی ہے بڑے چوہدری جب اسے اپنی دھوتی پر پڑا جامن کا داغ دکھاتے ہیں تو زینو ایک لمحے کے لیے آگے بڑھتی ہے اور دوسرے ہی لمحے پیچھے ہٹ جاتی ہے اور چوہدری کی طرف ایک تھوک اچھال دیتی ہے اور وہاں سے بھاگ نکلتی ہے۔

"ٹیلے کی اوٹ میں زینو ایک انجانے خوف کے ساتھ
ڈھے سی گئی تھی۔ سینے کے ٹوٹے بٹنوں میں گہرے
جامنی نیلگوں داغ کو وہ تھوک سے رگڑ کر مٹانے
لگی۔ زینو مصلن کی کالک ایک رطوبت میں گھل رہی
تھی۔ تھوک جیسی رطوبت" (30)

ڈاکٹر حمیرا اشفاق کے تمام کرداروں کا تعلق حقیقی دنیا سے ہے۔ روزمرہ زندگی میں وہ ہمیں چلتے پھرتے نظر آتے ہیں۔ مصنفہ نے اپنے افسانوں میں عورتوں کو بے نام کتبوں کی مانند قرار دیا۔ جن کے لیے مردوں کا حکم ماننا ضروری ہے۔ اگر وہ کوئی حکم ماننے سے انکار کریں تو انھیں عبرت کا نشان بنا دیا جاتا ہے۔

(ب) ناول می سوزم میں تانیثیت کے اثرات:

ناول" می سوزم "تانیثیت کے تناظر میں لکھا جانے والا ناول ہے۔ جو 2021 میں منظرِ عام پر آیا۔ حمیرا اشفاق نے اپنے اس ناول کو رابعہ خضداری کے عشق کے نام کی ہے۔ اس ناول میں رابعہ خضداری جو کہ بعد میں رابعہ بلخی کے نام سے مشہور ہوئیں۔ ان کی کہانی کو بہت موثر انداز سے بیان کیا ہے۔ رابعہ خضدار جو کہ **"رودکی"** کی ہم عصر تھیں۔ نہایت ذہین، سمجھدار اور بہت سی صلاحیتوں کی مالک تھیں۔ انھوں نے فارسی اور عربی دونوں زبانوں میں شاعری کی۔ ڈاکٹر حمیرا اشفاق نے اپنے اس ناول میں رابعہ خضدار کی کہانی بیان کی ہے جن کو ان کے بھائی نے کاروکاری کے جرم میں قتل کر دیا تھا۔

ڈاکٹر حمیرا اشفاق نے اپنے ناول میں صوبہ بلوچستان کے قبائل، ان کے رسوم ورواج، بدحالی، جنگی ماحول، معاشی جبر، خواتین کی پامالی اور ان کی سماجی حیثیت، خواتین کی طرف سے محبت کے اظہار اور غریبوں

کے استحصال پر روشنی ڈالی ہے۔ڈاکٹر حمیرا اشفاق احمد نے اپنے ناول ”می سوزم“ میں قبائلی رسم ورواج کو دکھایا ہے کہ کس طرح عورت کو مردوں سے کمتر سمجھا جاتا ہے، پدرانہ نظام ہو یا آج کا جدید جمہوری نظام، عورتیں آج بھی بے بس اور لاچار ہیں۔اس کا مرکزی موضوع "بلوچستان کے قبائلی رسم ورواج اور خواتین کے حقوق کی پامالی" ہے۔ہمارے معاشے میں آج بھی سب سے بڑا مسئلہ خواتین کے حقوق کی پامالی اور شناخت ہے۔جو مقام عورت کو حاصل ہونا چاہیے وہ اسے نہیں مل رہا۔ڈاکٹر حمیرا نے اپنے تخیل کے ذریعے ان حالات کا عکس دکھانے کی بھرپور کوشش کی ہے۔

آپ اس اقتباس سے عورت کی بے بسی اور بے بسی کا اندازہ لگا سکتے ہیں:

> " آج رات کو جشن رکھا ہے۔اس میں دختر کعب بھی ہمارے ساتھ تشریف رکھیں گی، حارث نے کہا: والد محترم! یہ پردے کے اندر سے بھی تو شریک محفل ہو سکتی ہیں۔"(31)

1۔تانیثیت کے تناظر میں کرداروں کا جائزہ:

ناول "می سوزم" کے مطالعے سے درج ذیل کردار سامنے آتے ہیں۔

- رابعہ خضدار
- امیر کعب
- گلِ رعنا
- حارث
- سارنگ
- اللہ بخش
- امام خاتون
- سالم خان
- بیکتاش

- خداداد
- شاہ بانو
- میوہ خان

جب ہم تانیثی تناظر میں دیکھتے ہیں تو درج ذیل کردار سامنے آتے ہیں۔

1)رابعہ خضداری:

رابعہ خضداری ناول کا اہم اور مرکزی کردار ہیں۔ جن کا تعلق خضدار سے ہے۔ جو امیر کعب کی بیٹی تھیں۔ رابعہ خضداری عربی زبان اور فارسی دونوں میں شاعری کی اور آپ معروف فارسی شاعر "رودکی" کی ہم عصر تھیں۔ آپ شاعری کے ساتھ ساتھ غیر معمولی صلاحیتوں کی مالک تھیں۔ شہزادی رابعہ کا کردار ایک نیک اور رحم دل خاتون کے طور پر نظر آتا ہے۔ ان کی بدولت غریبوں کو انصاف ملنے کی راہ نظر آتی ہے۔ رابعہ کبھی برائی کا ساتھ نہیں دیتی۔

> "میری جان خوشی سے لیجیے۔ لیکن مرنے سے پہلے صرف دو خواہشات پوری کردیں، ایک مجھے کچھ لکھنے کا سامان دے دیا جائے، تاکہ میں اپنے آخری سفر کی داستان رقم کرسکوں۔ دوسرا میرے حکم کی تعمیل میں رعنا نے ایک وفادار کنیز کی طرح عمل کیا، اس میں اس کا کوئی قصور نہیں۔ سب میرے حکم پر ہوا، اس لیے اس کی جان بخش دی جائے۔"(32)

2)امیر کعب:

رابعہ خضداری اور حارث کے والد ہیں اور خضدار کی سلطنت کے حاکم۔ امیر کعب کی نگرانی میں کئی مکتب قائم ہوئے جن میں علم و آگہی کے متلاشی دور دور سے آتے تھے۔ امیر کعب نے رابعہ کی حوصلہ افزائی کی تھی اور اپنی زندگی میں ان کا ساتھ دیا تھا۔

"شہزادی! آپ کی شاعری کا چرچہ محل سے باہر تک ہے۔
میرے لیے یہ خبر حیرت انگیز نہیں تھی۔ کیونکہ امیر ِ کعب
نے ہمیشہ شہزادی کی حوصلہ افزائی کی تھی۔"(33)

رابعہ خضداری کو بہت سراہتے تھے۔ ان کی خدمات کو سراہتے ہوئے امیر کعب نے رابعہ کو "ذین العرب" کا خطاب دیا۔ امیر کعب کو اپنی بیٹی سے بہت محبت تھی۔ وہ رابعہ کو اپنے لیے قابلِ فخر سمجھتے تھے۔ اپنی صحت خراب ہونے کے باوجود انھیں رابعہ خضداری کی فکر رہتی تھی۔ اپنی بیٹی کو عورت ہونے کی حیثیت سے کم عقل اور یا لاشعور نہیں سمجھتے تھے بلکہ اپنی بیٹی کا دل سے احترام کرتے تھے۔ جب بھی رابعہ خضداری کی کامیابی کی داستان سنتے تو انھیں دلی خوشی حاصل ہوتی۔

"دخترِ کعب کو کوئی پریشانی نہیں ہونی چاہیے۔ خواہ وہ
اس کے والد کی صحت ہی کیوں نہ ہو۔ خدا آپ دونوں پر
مہربان رہے"۔(34)

3)گل رعناء

ایک اور اہم کردار گل رعناء ہے جو کہ رابعہ خضداری کی دوست ہے۔ گل رعناء ہی رابعہ خضداری کے مکتوب بیکتاش تک پہنچاتی تھی اور مکتوب کے راز کو آخری سانس تک راز فشاں نہیں کیا۔ یہاں تک کہ حارث نے اپنی ملکہ بنانے کی پیشکش بھی کی لیکن اس نے شہزادی کے راز فشاں نہ کرنے کی قسم اٹھا رکھی تھی۔ اس کردار کے ذریعے ہم وفاداری کی مثال دے سکتے ہیں۔ گلِ رعناء نے ہر مشکل میں شہزادی رابعہ کا ساتھ دیا۔

"رعنا نے خود کلامی کے انداز میں کہا۔میں کس طرح کی دوست
ہوں،سازشوں کے دور میں معصوم اور سادہ دل رابعہ کو میں نے اکیلا
چھوڑدیا۔ میں اس جاہ وحشمت کو والیِ سلطنت کی ملکہ بننے کے جھوٹے
وعدے کو لات مارتی ہوں۔حیف ہے ایسی دولت پر جس میں دوستی کا
خون شامل ہو۔"(35)

4)بیکتاش:

بیکتاش بھی اس ناول کا اہم کردار ہے۔ یہ کردار بھی گل رعنا کی طرح اپنے امیر مقام کعب اور رابعہ خضداری کے ساتھ آخر تک وفادار رہتا ہے لیکن آخر میں شہزادی سے عشق کے کے جرم اور شہزادی کو ریاست کے معاملات پر اکسانے کے جرم میں زنجیروں سے باندھ کر زندان میں ڈال دیا جاتا ہے۔اس کے باوجود اس بہادر نوجوان کا جزبہ کم نہیں ہوتا اور وہ زنجیریں توڑ کر اندھیرے کنویں سے باہر نکل آتا ہے۔ بیکتاش کو وفادار سپاہی کے طور پر دیکھا جاسکتا ہے۔اس نے ہمیشہ اپنے کام کے ساتھ وفاداری کی اور اپنا مقام حاصل کیس۔

"بیکتاش نے تھوڑے فاصلے پر بیٹھے ہوئے وفاخان کو مخاطب
کرتے ہوئے کہا: مجھے خدا کے سوا کسی کا خوف نہیں۔ میں
نے اور میرے خاندان نے زندگی کا بیشتر حصہ سلطنت کی
خدمت کرنے میں گزار دیا۔"(36)

5)امام خاتون:

اس ناول میں امام خاتون کا کردار وفاداری کی مثال آپ ہے کہ کس طرح انھوں نے امیر کعب سے وفا اور محبت کو نبھایا۔ امام خاتون دربار میں اہم مقام رکھتی ہیں۔ رابعہ خضداری کے شانہ بشانہ نظر آئیں ہیں۔ انھوں نے ماں کی طرح رابعہ کی پرورش کی۔ رابعہ نے اپنا بچپن انھی کی گود میں گزارا۔ ہر محفل کی تیاری میں امام خاتون رابعہ خضداری کے ساتھ نظر آئی ہیں۔ امام خاتون سالم خان بلوچ کی خالہ تھیں اور آخری وقت تک وہ رابعہ کے ساتھ تھیں۔

"نہیں...... آپ میرے لیے ماں کی طرح ہیں۔
میں نے اپنا بچپن آپ کی گود میں گزارا ہے۔"(37)

2۔ مکالموں میں تانیثی شعور:

ناول میں جا بجا تانیثی شعور پایا جاتا ہے۔ ناول کے کرداروں، ان کے مکالموں میں شروع سے آخر تک تانیثیت کے عناصر ملتے ہیں۔ اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

"شہزادی رابعہ! آپ کی خواہش کے مطابق پائیں باغ میں
خواتین کی شعری نشست کا انتظام ہو گیا ہے۔ میں نے خوشی
سے تقریباً تالی بجاتے ہوئے کہا: واہ یہ تو بہت بڑی بات ہو گئی
ہے۔ امید ہے کہ یہ سلسلہ چل نکلا تو کچھ ذوقِ شعر مجھ ناہنجار
میں بھی پیدا ہو جائے گا۔"(38)

اس ناول کے آغاز کے مکالموں میں تانیثی شعور ملتا ہے اور کہ رابعہ خضداری کا کردار تانیثیت کے حوالے سے اہم کردار ہے، اس ناول کے آغاز میں پیش نظر آنے والے مکالمے تانیثی اعتبار سے نہایت اہم ہیں۔ ناول میں امیر کعب کے مکالموں میں بھی تانیثیت کے عناصر ملتے ہیں۔

"نہیں، یہ میری لائق بیٹی ہے۔ علم وذکاوت کے ساتھ احساسِ انسانیت کے زیور سے آراستہ یہ بلخ کی شان ہے۔..... یہ میرے پہلو میں تشریف رکھیں گی۔ دربان کو بلوا کر انتظام کروا دیا جائے۔"(39)

ایک اور اقتباس ملاحظہ کیجیے:

"رابعہ میری بیٹی! امید کرتا ہوں کہ آپ جیسی ذہین بیٹی اس وقت حالات کی سنگینی کا اندازہ اچھی طرح کر چکی ہو گی۔ میں جانتا ہوں کے بیٹی کے لیے باپ کی کیا اہمیت ہو سکتی ہے۔ اسے سلطنت، جاہ و جلال، تخت و تاج کی بجائے باپ کی ایک شفقت بھری مسکراہٹ کافی ہوتی ہے۔"(40)

تانیثیت کے تناظر میں دوسرا اہم کردار "امام خاتون" کا ہے جو رابعہ کے شانہ بشانہ نظر آئیں۔ اقتباس پیش ہے:

"رابعہ شہزادی! میں شاید وہ سب کچھ آپ کے سامنے نہ کہہ سکوں جو میں کہنا چاہتی ہوں۔ اس لیے مکتوب لکھوانے کی جسارت کی ہے۔ بہت سال پہلے جس شخص کو دیکھتے ہی میں نے اپنا خدا مانا تھا۔ وہ کوئی اور نہیں، امیر کعب تھے۔ لیکن وہ بے وفا نہ تھے۔ انھوں نے مجھے پہلے دن ہی واضح کر دیا تھا کہ وہ اپنی بیوی سے بے حد محبت کرتے ہیں۔ اس لیے میری جگہ صرف خدمت گاروں میں ہو سکتی ہے اور کہیں نہیں..... اور یہ خدمت کے دوران نصیب ہو جاتی ہے۔"(41)

تانیثی رجحان کے حوالے سے علامہ فیض الحسن اور رابعہ کے مکالمے نہایت اہمیت کے حامل ہیں:۔ رابعہ اور فیض الحسن سے ہمیں تانیثی شعور کا پتا چلتا ہے۔

"محبت اور الہامی جذبے ؟ کیا ان سے بڑھ کر کوئی اور انعام ہو سکتا ہے؟ رابعہ نے اپنے استاد علامہ فیض الحسن سے پوچھا نھیں میری پیاری بیٹی! یہ واقعی رب کا انعام ہے۔ کسی کسی کو نصیب ہوتا ہے۔ہاں یہ دولت صرف ان کو ملتی ہے، جس کا دل پاک ہو۔ گدلے آئینے میں تو ہر عکس بھدا نظر آتا ہے۔ تو کیا محبت کرنا، عشق کرنا رب کی صفات کا ہی پر تو ہے؟"(42)

اس ناول کا اہم کردار بیکتاش" کا ہے۔ بیکتاش اگرچہ ایک غلام تھا لیکن وہ شہزادی رابعہ کے عشق میں گرفتار ہو گیا۔ بیکتاش اس ناول کا نہایت اہم کردار ہے۔

3۔ تانیثیت کے تناظر میں ناول کا اجمالی جائزہ

می سوزم مصنفہ کا پہلا ناول ہے جس کی بدولت مصنفہ کو ہم عصر ناول نگاروں میں سے ایک منفرد ناول نگار بنا دیا ہے۔ خوش قسمت ہوتا ہے وہ ناول نگار کہ جس کی زندگی میں کوئی ایک ایسا ناول منظر عام پر آتا ہے جو اسے ناول نگار بنا دیتا ہے۔ میری نظر میں ڈاکٹر صاحبہ وہ خوش قسمت ناول نگارہ ہیں جنھوں نے می سوزم جیسا ناول روایتی انداز سے ہٹ کر مابعد جدید تکنیک میں تخلیق کیا۔۔ ڈاکٹر حمیرا اشفاق نے اپنے ناول می سوزم میں بلوچستان کے قبائلی رسم ورواج، معاشی اور غریبوں کے استحصال کا ذکر کیا ہے۔ خواتین کے حقوق اور شناخت کا مسئلہ آج بھی ہمارے معاشرے کا سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ صدیوں پرانی بادشاہت ایک جدید جمہوری نظام بن چکی ہے۔ عورتیں مردوں کے بنائے ہوئے اصولوں پر عمل کرنے کی پابند ہیں۔ ان کی اپنی کوئی پہچان نہیں۔

ناول می سوزم کی کہانی ایک شہزادی کے گرد گھومتی ہے جو رودا کی کی ہم عصر ہے، ایک شاعر، ایک عالم دین، ایک مومن اور ایک متقی خاتون ہے۔ ناول کی ہیروئن رابعہ خضداری کو اس کے والد امیر کعب (جو

خضدار اور بلخ کے بادشاہ تھے) نے بلخ کی شان قرار دیا، جسے علم و ذہانت سے انسانیت کے زیور سے آراستہ کیا گیا۔ بیٹی کی تعریفیں سن کر آپ نے اسے "زین العرب" کا خطاب دیا۔

رابعہ خضداری کا بھائی حارث اپنی بہن سے جلتا تھا اور حارث کے لیے یہ مشکل تھا کہ وہ اپنی بہن کو ریاست کے معاملات سنبھالتے ہوئے دیکھے۔ بلخ اور خضدار کا امیر کعب رحم دل، بہادر اور فہم و فراست والا بادشاہ تھا۔ امیر کعب کا بیٹا حارث اقتدار کے نشے میں اندھا ہو گیا۔ امیر مقام کو شدید نقصان پہنچا اور آخر کار ان زہریلی چیزوں کے استعمال سے امیر مقام کے پھیپھڑے مکمل طور پر تباہ ہو گئے اور زندگی کی بازی ہار گئے۔

والد (امیر مقام) کی وفات کے بعد اس کا بیٹا حارث تخت پر بیٹھا اور اس کے تخت پر چڑھنے سے اس کی رعایا پر خوب ظلم کیے۔ بلخ اور خضدار کے نوجوانوں کو زبردستی فوج میں بھرتی کیا گیا اور نافرمانی کرنے والوں کو ظالم حارث نے قتل کر دیا۔ حارث عالیشان طبیعت کا ایک سست نوجوان تھا، جو ہر طرف لوٹ مار اور قتل و غارت گری پھیلا رہا تھا اور اپنی رعایا پر بھی بلا جواز ظلم ڈھا رہا تھا۔ اس نے ایک بہادر اور عظیم جنگجو بیکتاش کو خط لکھ کر ریاست کے معاملات پر گہری نظر رکھنے کی ہدایت کی اور پھر اسی جنگجو کو رابعہ شہزادی سے پیار ہو گیا اور یہی محبت بالآخر رابعہ خضداری کی موت پر منتج ہوئی۔

وعدے کے مطابق اور ریاست کے وفادار بیکتاش نے شہزادی کا ساتھ دیا اور ایک عظیم جنگجو کے طور پر محل کی تمام سازشوں کو شہزادی کے سامنے بے نقاب کیا اور اس امیر کی موت اور اس کے ثبوت کو بھی بے نقاب کیا۔ پیش کیا کہ میں کوئی اور نہیں ہوں۔ امیر عورت اور بادشاہ کعب کے کھانے سے زہر ملا لیکن اس کا بیٹا حارث جو تخت کے نشہ اور اقتدار کی ہوس میں اندھا ہو چکا تھا۔ اس طرح طاقت کے نشے میں دھت حارث نے اپنے عظیم جنگجو کے ساتھ ساتھ اس کی بہن کو بھی مار ڈالا۔ رابعہ کو ابھی بھی بھائی سے کوئی شکایت نہ تھی۔

امیر کعب کی مہر اس شخص کے پاس تھی جسے حارث اپنے مقاصد کے لیے استعمال کیا کرتا تھا۔ اس حوالے سے اقتباس ملاحظہ فرمائیے:

بظاہر میرا ہے لیکن اس کے پیچھے ہاتھ کسی اور کا ہے۔"

اس پر گواہی دیتے ہوئے سپہ سالار بہادر علی نے کہا کہ: عبدالستار خان کی مہر کسی اور نے نہیں بلکہ آپ کے برخوردار حارث نے بغیر اجازت کے استعمال کی تھی۔"

می سوزم نامی ناول میں بھی محبت کا فلسفہ بہت خوبصورتی سے بیان کیا گیا ہے۔ محبت میں نسب کے حساب سے ذات نہیں دیکھی جاتی بلکہ یہ خود بخود ہو جاتی ہے۔ یہ محبت چھوٹے آدمی سے بھی اور بڑے آدمی سے بھی

ہو سکتی ہے اور چھوٹے آدمی کو بھی بڑے آدمی سے ہو جاتی ہے، محبت کرنے کے لیے کوئی نسل، ذات یا مذہب نہیں ہوتا۔ ناول می سوزم میں شہزادی رابعہ خضداری کو اپنے غلام اور عظیم جنگجو بیکتاش سے پیار ہو جاتا ہے اور وہ اس کی محبت حاصل کرنے کے لیے اپنی جان خطرے میں ڈال دیتی ہے۔

رابعہ خضداری محبت میں حسب نسب کی قائل نہیں لیکن ان کا کہنا ہے کہ محبت زندگی میں نعمت بن کر نازل ہوتی ہے اور یہ محبت کسی سے بھی ہو سکتی ہے۔ مجھ جیسی شہزادی کو بیکتاش سے پیار ہو گیا اور میں بیکتاش کو محبت میں غلام نہیں سمجھتی بلکہ اسے برابر سمجھتا ہوں کیونکہ ہمارا مذہب کسی کو کم نہیں سمجھتا۔ ڈاکٹر حمیرا اشفاق نے رابعہ خضداری کے کردار میں محبت کے جس تصور کا اظہار کیا ہے وہ کچھ یوں ہے:

"رعنا! عشق میں ذات پات، اونچا، بڑا حتیٰ کہ میں اور
تم کا جھگڑا بھی ختم ہو جاتا ہے۔"(43)

عشق میں حسب نسب کے حوالے سے ایک اور اقتباس ملاحظہ فرمائیے۔

"میں نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا: بیکتاش! دنیا میں غلامی یا بادشاہی کسی کا حسب و نسب اس کے بڑے یا چھوٹے ہونے کی دلیل نہیں۔ میری درخواست ہے کہ خود کو غلام کہیے۔ دنیا میں تمام انسان برابر ہیں، جس مذہب کے ہم پیرو ہیں اس میں ذات پات اور تفرقے گناہ سمجھے جاتے ہیں۔"

اگر آج کے معاشرے میں ناول می سوزم میں بیان کردہ محبت کے فلسفے پر نظر ڈالی جائے تو عورت اپنی محبت کے اظہار میں آزاد نہیں، اس کی پسند و ناپسند آج بھی نہیں پوچھی جاتی اور اگر وہ معاشرے سے بغاوت کر کے محبت میں گرفتار ہو جاتی ہے۔ اسے آج بھی غیرت کے نام پر قتل کیا جاتا ہے۔ رابعہ خضداری جیسی بہت سی خواتین ہیں جنھیں غیرت کے نام پر قتل کیا جاتا ہے یا زبردستی کسی کے ساتھ باندھ دیا جاتا ہے۔ ناول می سوزم میں رابعہ خضداری کو بیکتاش سے محبت کرنے پر قتل کر دیا جاتا ہے۔

حمیرا اشفاق نے اپنی تخلیقی صلاحیت سے نادر اور با عمل کردار کو اپنے موزوں اسلوب نگارش اور موثر پیرایہ اظہار سے خوبصورت بنا دیا اور قاری کو مکمل ناول پڑھنے میں دلچسپی پیدا ہو جاتی ہے اور کبھی اکتاہٹ کا شکار نہیں ہوتا۔ انھوں نے خیالات و نظریات، جذبات و احساسات اور داعیات و میلانات کی نزاکتوں اور پیچیدگیوں کا اظہار خوبصورت اور دلکش اسلوب بیان سے کیا ہے جس میں ندرت و قدرت بھی ہے اور فصاحت وبلاغت بھی۔ ان کا یہ ناول اچھی زبان اور دلکش اسلوب بیان کی دل آویزی و تاثیر کا ضامن ہے۔

اپنے اس ناول میں مصنفہ نے بتایا ہے کہ عہد چاہے کوئی بھی ہو چاہے کوئی بھی زمانہ ہو عورت کی کوئی زندگی نہیں ہوتی، اسے مرد کے سہارے زندگی گزارنی پڑتی ہے۔ عورت مردوں کے بنائے ہوئے اصولوں پر اپنی ساری زندگی گزار دیتی ہے۔ عورت چاہے کتنی بھی پڑھی لکھی، مہذب کیوں نہ ہو اسے مرد کا ظلم و ستم سہنا پڑتا ہے۔ رابعہ خضداری کو بھی اسی طرح اس کے بھائی نے باغی قرار دے کر قتل کر دیا۔

حوالہ جات

۱۔آفتاب اظہر صدیقیhttps://www.taemeernews.com/2019 /05/urdu
prose categories.html تاریخ۔20-6-22 ،وقت 07:28

۲۔رفیع الدین ہاشمی ،اصنافِ ادب ،سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور،۲۰۰۸ء تا 150

۳۔آفتاب اظہر صدیقیhttps://www.taemeernews.com/2019
/05/urdu-prose categories.html تاریخ۔20-6-22 ،وقت07:28

۴۔ایضاً۔

۵۔ہاجرہ ریاض" ڈاکٹر حمیرا اشفاق کا افسانوی مجموعہ: کتبوں کے درمیان" تاریخ۔20-6-24،وقت
-https://www.humsub.com.pk/387040/hajra05:3
/riaz

۶۔حمیرا اشفاق، ڈاکٹر،کتبوں کے درمیان ،سنگِ میل پبلی کیشنز ،لاہور،۲۰۱۹ء ،ص

۷۔ایضاً، ص۳۶

۸۔مقالہ نگار کا ڈاکٹر نوشین قمر سے انٹرویو، بہ مقام اسلام آباد ماڈل کالج فور گرلز ، I-8/3، بہ تاریخ ۲۲/نومبر ۲۰۲۲ء۔

۹۔حمیرا اشفاق، ڈاکٹر،کتبوں کے درمیان ،سنگِ میل پبلی کیشنز ،لاہور،۲۰۱۹ء ،ص۴۵

۱۰۔ایضاً،ص۲۷

۱۱۔ایضاً،ص۶۱

۱۲۔ایضاً،ص۶۲

۱۳۔ایضاً۔

۱۴۔ایضاً،ص۷۷

۱۵۔ ایضاً، ص۸۷

۱۷۔ ایضاً، ص۱۲۰

۱۸۔ ایضاً، ص۱۲۲

۱۹۔ ایضاً، ص۱۳۹

۲۰- ایضاً، ص۱۲۷

۲۱۔ ایضاً، ص۱۵۹

۲۲۔ ایضاً، ص۳۲

۲۳۔ مقالہ نگار کا ڈاکٹر سمعیہ چغتائی سے انٹرویو، بہ مقام انٹر نیشنل اسلامک یونی ورسٹی، اسلام آباد، بہ تاریخ ۱۹/ جنوری ۲۰۲۳ء۔

۲۴۔ حمیرا اشفاق، ڈاکٹر، کتبوں کے درمیان، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۹ء، ص۴۴

۲۵۔ ایضاً، ص۴۸

۲۶۔ ایضاً، ص۶۱

۲۷۔ ایضاً،، ص۱۱۰

۲۸۔ ایضاً، ص۱۲۲

۲۹۔ ایضاً،، ص۱۲۴

۳۰۔ حمیرا اشفاق، ڈاکٹر، می سوزم، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۲۱ء، ص۱۳۹

۳۱۔ ایضاً، ص۱۴

۳۲۔ ایضاً، ص۱۶۰

۳۳۔ ایضاً، ص۱۰

۳۴۔ ایضاً،، ص۲۰۴

۳۵۔ ایضاً، ص۱۵۲

۳۶۔ ایضاً، ص۱۶۵

۳۷۔ ایضاً، ص۳۷

۳۸۔ ایضاً، ص۷

۳۹۔ ایضاً، ص ۱۷

۴۰۔ ایضاً، ص ۲۳

۴۱۔ ایضاً، ص ۲۷

باب سوم:۔

حمیرا اشفاق کے غیر افسانوی ادب میں تانیثی شعور کا مطالعہ

اس باب میں ہم ڈاکٹر حمیرا کی تحقیق اور تدوین میں تانیثیت کا مطالعہ کریں گے۔

(الف): حمیرا اشفاق کی تنقید میں تانیثی فکریات کا تجزیہ:

ڈاکٹر حمیرا اشفاق کی تنقید میں تانیثی فکریات کا تجزیہ کرنے سے پہلے اس بات کا تعین ضروری ہے کہ تانیثیت ایک ایسی فکر یا فلسفہ ہے جس کا مقصد معاشرے میں اعتدال ، توازن اور برابری کی جدوجہد ہے۔ جہاں عورت کو دنیا کا اہم فرد تسلیم کرتے ہوئے اس کی صلاحیتوں کا پہچان اس کی منزل ہے۔ ناصر عباس نیرؔ اپنی کتاب "جدید اور مابعد جدید تنقید" میں یوں رقم طراز ہیں۔

> "نسوانی تنقید عورت کے شعورِ ذات کی پیداوار ہے۔اس مقصد میں بین السطور یہ احساس بہت شدید ہے کہ عورت کو یا تو تاریخ سے باہ رکھا گیا یا حاشیہ پر۔"(1)

تانیثی تنقید کیا ہے اور ہم اس سے کیا حاصل کرنا چاہتے ہیں؟ ایک معروف تنقید نگار سینڈرا گلبرٹ لکھتی ہیں کہ جب انھوں نے اس پر غور کیا تو الجھتی چلی گئیں۔ پھر انھوں نے اپنی ساتھی لکھنے والیوں سے اس پر گفتگو کی اور اس نتیجے پر پہنچی کہ کہ انھیں نہ صرف تانیثی تنقید کی تھیوری وضع کرنی ہے۔ بلکہ بہت سے ایسے نازک اخلاقی اور سیاسی نکات بھی جمع کرنے ہیں۔ جس سے تانیثی تنقید کا مقصد واضع ہو جائے۔ سنڈرا گلبرٹ نے جو نکات پیش کیے وہ درج ذیل ہیں۔

اپنی تحریروں کے ذریعے مرد قارئین، ادیب حضرات اور ناقدین پر واضع کریں کہ:

1. ہم یہ بتائیں کہ ہم ان کے لیے کیا کر سکتے ہیں۔
2. یہ بتائیں کہ وہ ہمارے لیے کیا کر سکتے ہیں۔
3. انھیں یہ بتائیں کہ ہمارا قلمی تعاون حاصل کیجیے۔

4. انھیں یہ بتائیں کہ ہماری خدمت بہتر بنایئے۔
5. انھیں یہ بتائیں کہ ہمارے خیالات سنیں اور ہماری کتابیں پڑھیں۔
6. انھیں یہ بتائیں کہ جو وہ سمجھتے ہیں دراصل ہم وہ نہیں ہیں
7. انھیں یہ بتائیں کہ دراصل ہم کیا ہیں اور کیا نہیں ہیں۔

ان نکات پر لکھے جانے والے ابتدائی مظامین نے تانیثی تنقید کے لیے ایک لائحہ علم مرتب کرنے میں جو مدددی ہوگی۔ مگر ان مقاصد کو واضح کر دیا جو خواتین نسائی تنقید سے حاصل کرنا چاہتی ہیں۔

حمیرا اشفاق کی تنقید میں ان کی درج ذیل کتابیں شامل ہیں۔

1۔ تانیثیت کا نیا دور

2۔ فہمیدہ ریاض تحقیق وفن

3۔اردو فکشن میں خواتین کے تخلیقی سفر کے احوال ومقامات

تانیثیت کا نیادور:

ڈاکٹر حمیرا اشفاق نے اپنی اس کتاب میں نسائی افسانے 1919 تا 2019 کو چار دریچوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا دریچے میں نابینا اور معذور قلم کار خواتین سے مصاحبے شامل ہیں، دوسرے دریچے میں تاریخ اور ادب کے تناظر میں پاکستانی تانیثیت کی وضاحت کی گئی ہے۔ تیسرا دریچہ "پرانا فسانہ" کے نام سے ہے۔ اس باب (دریچے) میں رضیہ سجاد ظہیر، رشید جہاں، جمیلہ ہاشمی، بانو قدسیہ اور دیگر افسانہ نگاروں کے افسانوں کو شامل کیا گیا ہے۔ چوتھے دریچے کا عنوان "نیا فسانہ" کے نام سے ہے اس دریچے میں جدید دور کے افسانہ نگاروں بشریٰ اقبال ملک، ڈاکٹر حمیرا اشفاق، آمنہ مفتی، صوفیہ کاشف اور دیگر افسانہ نگاروں کے افسانے شامل ہیں۔

> "تانیثیت کا نیا دور" جس کا آغاز پاک وومن فارم رائیٹرز کی جانب سے کیا گیا۔ جس کا مقصد اردو ادب میں تانیثی آواز کو تقویت دینا ہے۔ اس تحریک کو کتب کے ایک سلسلے کے ذریعے شروع کیا جارہا ہے۔ جس کا مقصد ادب کو زنانہ یا مردانہ ڈبوں میں بانٹنا ہرگز نہیں ہے بلکہ خواتین کی ایک صدی کی کاوشوں کو ایک کتاب کی صورت میں یکجا کر کے پیش کرنا ہے۔(2)

اس سلسلے کی پہلی کتاب "نیا اسلوب، نئی عورت "1919 سے 2019 تک خواتین افسانہ نگاروں کے اس شعور کا جائزہ ہے جو بحیثیت انسان اس کو جھنجھوڑتا ہے۔ یہ کہانیاں موضوع کی بنیاد پر منتخب کی گئی ہیں، افسانہ نگاری کے محاسن کو کم دیکھا گیا ہے، کیونکہ ہر زمانہ اپنے محاسن خود بناتا ہے۔ کتب کی اس سیریز سے پاکستان کے نسائی ادب اور تانیثیت پر مباحث کے آغاز کے ساتھ ادب کے میدان میں موجود معذور نابینا خواتین کو بھی برابری کی بنیاد پر ادبی میلان میں اپنی ذہانت اور فطانت سے معاشرے کو فیض یاب کرنے کا شکریہ ادا کرنا ہے۔

اس کتاب کو اردو کی اہل قلم خواتین کے ادراک اور ہوش کے مطالعاتی جائزے کی کتاب بھی قرار دیا جاتا ہے۔ ماضی اور حال کی افسانہ نگار خواتین کے ایک صدی پر محیط افسانوں کو یکجا کر کے پیش کرنا، دراصل آج اور کل کی خواتین کے شعور و آگہی کے فرق اور معیار کو جاننا اور نئی یا پرانی سوچ کے زاویوں پر سنجیدگی سے غور کرنا ہے۔

حقیقت میں یہ خواتین کا خواتین ہی کی تحریروں کے ذریعے احتساب اور کھوج کا عمل ہے کیونکہ ہمیں کھوج ہے کہ کیا جدید خاتون خود کو صنفِ نازک اور مرد کو صنفِ سخت ماننے کو تیار ہے؟ کیا مرد اور عورت بحیثیت انسان برابر ہیں؟ اور احتساب یہ کہ مردوں کی محتاج بننے سے انکاری خاتون خود پر لگائے گئے (نافرمان، بدکردار، خودسر، گناہ گار) جیسے الزامات کا سامنا، معاشی ترقی کے دور میں کس طرح کر رہی ہے؟ اس کے صبر اور برداشت کا پیمانہ کیا ہے؟

اس کتاب کو تحقیق کرنے اور ان موضوعات پر سوچنے کی دعوت دینے کے لیے کئی حصے میں تقسیم کیا گیا ہے۔

پہلا دریچہ فارم اور سائیٹ سیورز کا تعارف اور ربط اور ان کے مقاصد کی ذیل میں خصوصی خواتین کے مصاحبہ ہا پر مشتمل ہے جو نابینا اور معذور ہیں۔ اس باب میں روبینہ شاد، سنبل سرور اور رابیل پیرزادہ وغیرہ سے

مصاحبے شامل ہیں۔ ان کے انٹرویو پڑھ کر اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ پاکستانی معاشرے میں کس جرات اور بہادری سے اپنے حقوق کی جنگ لڑی اور معاشرے کی ان خواتین کے لیے مثال بنی ہوئی ہیں جو صحت، صلاحیت اور مواقع ہونے کے باوجود خاندان، ملک اور معاشرے کی تعمیر اور ترقی میں ہماری معذور بہنوں سے پیچھے ہیں۔

روبینا شاد صاحبہ سے انٹرویو کے درمیان جب سوال کیا گیا کہ انھوں نے خواتین کے لیے جو لکھا ہے اس میں سے کچھ شیئر کیجیے تو انھوں نے بتایا کہ کافی کچھ لکھا ہے۔ غزل کے اشعار پیش ہیں۔

"روایت سے بغاوت کر رہی ہوں جفاؤں سے شکایت کر رہی ہوں
کھڑی ہو کر ہواؤں کے مقابل چراغوں کی حفاظت کر رہی ہوں۔
مرے حق میں نہیں بولے گا کوئی۔ سو خود اپنی وکالت کر رہی
ہوں۔"(13)

دوسرا دریچہ، تانیثیت اور نسائی ادب وآواز کے حوالے سے مظامین اور محترمہ کشور ناہید صاحبہ کا مصاحبہ اور محترمہ فاطمہ حسن صاحبہ کا نسائی ادب پر مکالمہ اور ہمارے مظامین "پاکستانی، مسلم، یا اسلامی تانیثیت" اور "خواتین کا ادب کے ارتقاء" میں حصہ شامل ہے۔

اس باب کا عنوان "پاکستان میں تانیثیت: تاریخ اور ادب کے تناظر میں" ہے۔ اس باب میں کشور ناہید کا انٹرویو "ہم گناہ گار عورتیں" رقیہ عباسی، فاطمہ حسن کا مضمون "نسائی ادب اور تنقید" اور بشریٰ اقبال کا مضمون اسلامی، مسلم تانیثیت کو بیان کیا گیا ہے۔

اس باب میں پاکستانی معاشرت کے پسِ منظر کو دکھایا گیا ہے۔ پاکستان کے مختلف علاقے عورت کے مقام اور حدود کے معاملے میں اپنی اپنی روایات اور رواج رکھتے ہیں۔ جن میں سے اکثر اسلامی فلسفے سے متضاد اور متصادم ہیں جبکہ کچھ روایات کو زبردستی اسلام کا حصہ سمجھا جانے لگا ہے۔ جن میں سب سے زیادہ عورت کی ذات وزندگی کو مذہب اور علاقائی روایت سے جوڑ کر اس کی انسانی حیثیت کو مرد کے مقابلے میں کمتر کرنا شامل ہے۔ پہلا اختلافی مسئلہ عورت کی تعلیم کا حق ہے۔ دوسرا جائیداد میں حصہ، تیسرا شادی میں اس کی مرضی کا دخل اور چوتھا بچوں پر اختیار کا حق ہے۔

تیسرا دریچہ ماضی کی ان افسانہ نگاروں کو دکھاتا ہے جنھوں نے اردو ادب کے آغاز سے 1980 کی دہائی تک، برِ صغیر کی خواتین کی سوچ کو بیان کیا ہے۔ جس میں عورت کا، اپنی حالت نہ بدلنے کا شکوہ، ہر ظلم و زیادتی سہہ کر شرم وحیا کا منبع بن کر رہنے کو ترجیح دینے، قربانی کا سمبل بن کر عظمت کے تاج پہننے کا شوق کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔

خواتین اہلِ قلم کی جدوجہد گزرشتہ دو صدیوں کی روشنی میں دیکھا جائے تو ان کی فنی و فکری جہات کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ جب ان پر مکتب کے دروازے مقفل اور ان کی صلاحیتوں کو زنان خانوں تک مقید کر دیا گیا ہے۔ باشعور خواتین کے مزاحمتی رویوں کے باوجود سرسید کی روشن خیالی کا ستارہ بلند تھا۔ ڈارون کی تھیوری اور سائنسی نظریات پر یقین رکھنے والے روشن خیال دانشور مردوں کی لیے محض دینی گھریلو تعلیم کو لازمی سمجھتے تھے۔ اسی دور میں ڈپٹی نذیر احمد کی مثلی عورت کا خاکہ تیار ہوا۔ نو آبادیاتی اثرات کے نتیجے میں مسلم تہذیب کا سار بوجھ اکبر الہ آبادی جیسے شاعروں نے عورت کے کاندھوں پر ڈال دیا۔

اس صورتِ حال میں مولوی ممتاز علی اور شیخ عبد القادر جیسے مدبر سامنے آئے، جنھوں نے مخالفت کے باوجود خواتین کے حقوق کے لیے جدوجہد کی۔ اس ضمن میں بیگم عبد اللہ (عالاں بی بی) اور محمدی بیگم اور بیگماتِ بھوپال کی خدمات قابلِ ذکر ہیں۔

اپنے اس باب میں ڈاکٹر حمیرا اشفاق یہ بتاتی ہیں کہ قیامِ پاکستان کے بعد اردو افسانے میں خواتین اہلِ قدم نے کئی سنگ میل ع بوائر کیے۔ مارشل لاء کے نتیجے میں اظہار کا پیرایہ علامت ٹھہری تو خالدہ حسین نے "دروازہ" جیسے افسانے تخلیق کیے۔ اس عہد میں خواتین کے مسائل اور ان کے ساتھ پیش آنے والے مسائل کو "یارِ من پیا" اور واشنگ مشین میں اس طور پر پیش کیا کہ کہانیاں جذبات کا نوحہ بننے کی بجائے معاشرے کا آئینہ بن گئیں۔

اس دریچے میں حمیرا اشفاق خواتین افسانہ نگاروں کی مشکلات کا ذکر کرتی ہیں اور بتاتی ہیں کہ اس عہد کی افسانہ نگاروں نے اپنے قلمی سفر میں کتنی مشکلات کا سامنا کیا لیکن اس کے باوجود انھوں نے معاشرتی ناہمواری پر صدائے احتجاج بلند کی۔ انھوں نے ادبی سفر میں ایسے نقوش ثبت کیے، جن کی پیروی میں خواتین قلم کاروں نے اپنی راہیں متعین اور ہموار کیں۔

چوتھے دریچے میں 80 کی دہائی سے 2019 تک خاتون کے قلم وذہن کی پرواز کا اندازہ لگایا گیا ہے۔ اس باب میں ڈاکٹر حمیرا جدید دور کی افسانہ نگار خواتین کا تذکرہ کرتی ہیں اور بتاتی ہیں کہ اس عہد کی بہت سی

نامی گرامی خواتین اپنا سکہ منوا چکی ہیں۔ معاصر افسانہ نگار خواتین کے ذریعے پاکستان کی خواتین کی زندگی، سوچ اور خواہشات کے نئے پہلوؤں کا اندازہ ہوتا ہے کہ خواتین خود اپنی ذاتی ترقی اور استحصال کا جائزہ کیسے لے رہی ہیں۔

اس باب میں جدید دور کے افسانے شامل ہیں جن میں یہ بتایا گیا ہے کہ عورت دشمن رسومات، قبائل اور خاندان کی دشمنیوں میں عورت کو غیرت کی کرنسی بننے سے روکنا ہوگا۔ محلے کی پنچائیت اور جرگے میں مردوں کے جرم میں ان کی عورت کو دان، ازالہ اور قیمت کے طور پر دینے سے روکنا ہوگا۔ بیٹی، بہن اور ماں کو انسان سمجھنے کے بجائے غیرت کے ساتھ منسلک کرنے کی سوچ کو بدلنا ہوگا۔

اگر معاشرے میں عورت کو اس کی ذات پر ویسا ہی اختیار مل جائے جو مرد کو حاصل ہے تو وہ بھی معاملاتِ زندگی کو ویسے ہی سنبھالے گی جیسا کہ ایک مرد سنبھالتا ہے۔ اس سلسلے کو جاری کرنے کے لیے تحفظ کا ہونا بنیادی شرط ہے۔ اس پیچیدہ معاملے کا حل یہی ہے کہ عورت ایسی کہانی اور نظم لکھے۔ جس میں اس کی قوتیں اور صلاحیتیں عیاں ہوں۔

وہ روتی بسورتی اور خاندان کی ناک اور عزت کا سمبل بننے کی بجائے معاشرے کے ایک ذمہ دار فرد کے طور پر سامنے آئے۔

> "عورت زندگی اور جذبات کے ہر پہلو اور رنگ کے احساس کا اظہار کرے اور بتائے کہ وہ بھی ترقی اور خوشحالی کی اتنی ہی خواہاں ہے جتنا کہ مرد اس کو برابر کا انسان منوانے کے لیے ایسا ادب تخلیق کرنا ہوگا۔ جس میں مرد اور عورت دونوں کے ذہنوں میں بنے ہوئے ایک دوسرے سے الگ اور مختلف ہونے کا احساس ختم ہو جائے اور ایک متوازن اور خوشحال معاشرہ جنم لے۔ یہ کارِ مقدس عورت کا قلم ہی کر سکتا ہے۔"(4)

فہمیدہ ریاض تحقیق و فن:

ڈاکٹر حمیرا اشفاق کا یہ مضمون اگرچہ فہمیدہ ریاض کی شاعری کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہے اور فہمیدہ ریاض کی تصانیف کے فکری اور نظریاتی شعور سے بھی آگاہ کرتی ہے۔ڈاکٹر حمیرا اشفاق نے اپنے تیئں فہمیدی ریاض کی شاعری کی تین بنیادی جہتوں کو سمجھانے ے اور ہمارے سامنے لانے کی لازوال کوشش کی ہے۔ جن میں رومانویت، تانیثیت اور ان کا سیاسی اور عصری شعور شامل ہے۔

ڈاکٹر حمیرا اشفاق بتاتی ہیں کہ فہمیدہ ریاض نے عورت کے مسائل کو ایک تجربہ کار تخلیق کار کے طور پر پیش کیا ہے۔

ڈاکٹر حمیرا **اشہناز پروین** کا قول بیان کرتی ہیں:

"فہمیدہ کی شاعری نہ تو صرف ایک عورت کی شاعری اور نہ ہی اس کے مخاطب صرف عورت ہے۔وہ مرد یا عورت کی تخصیص کے بغیر ایک احساسِ تخلیق کارہ جو معاشرے کا جیتا جاگتا اور فعال فرد ہیں۔"(5)

ڈاکٹر حمیرا اشفاق فہمیدہ ریاض کی نظم "کب تک" کا تجزیہ کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ فہمیدہ کی نظم میں عورتوں کے محفوظ نہ ہونے کا احساس موجود ہے۔ عورت کی جوانی جب تک اس کے ساتھ ہے، قریبی رشتے دار بھی اس کے ساتھ ہوتے ہیں۔ لیکن ڈھلتی عمر میں اس کی جوانی کا رس چوسنے والے بھنورے کسی نئی منزل کی طرف گامزن ہو چکے ہوتے ہیں۔

فہمیدہ ریاض کی تانیثیت کا تجربہ صرف اپنی ذات تک محدود نہیں رہتا بلکہ وہ ہر عورت کو اس کے وجود کا احساس دلاتے ہوئے اس کی پامالی کے خلاف آواز اٹھاتی ہیں۔ فہمیدہ ریاض کی شاعری ایک باشعور اور حساس ادیب کے قلم سے نکلے وہ گیت ہیں جو ابتدا میں محبت کے نغمے بکھیرتے ہیں۔ لیکن بعد ازاں معاشرتی عدم تعاون اور صنفی امتیازات کو دیکھ کر کرب میں ڈھل جاتے ہیں۔ ان کی گہری نظر جب بغور معاشرے کے ابتزالی رویوں پر پڑتی ہے تو ان کی شاعری کے موضوعات ایک نوحے کی شکل اختیار کرلیتے ہیں۔ یوں ان کا موضوعاتی

مطالعہ کرتے ہوئے ان کے فکری اور فنی ارتقا کو بھی با آسانی دیکھا جا سکتا ہے۔ جو سوچنے سے لے کر بولنے تک اور بولنے سے لے کر خیالات کو کاغذ پر ترتیب دینے تک کئی سیاسی اور سماجی پابندیوں میں اجڑا ہوا ہے۔

جب موت کا وقت قریب آیا تو فہمیدہ نے ایک خاصی معروف نظم لکھی جس کا نام 'انقلابی عورت' تھا۔ اس نظم میں ایک بوڑھی عورت اس بات پر افسوس کرتی ہے کہ اس کی زندگی کے اتنے سال تنازعات، سیاست اور مزاحمت میں الجھ کر اس سے چھین لیے گئے۔ لیکن نظم کی قلمی آخری سطر میں، اس ندامت سے نفرت کی جاتی ہے، اس احساس میں کہ تاریخ ذاتی خیر خواہی سے بڑی ہوتی ہے۔ جمہوریت کا یہی مفہوم ہے: اپنی ذات کو مٹانا اور دوسرے کی جان بن جانا۔ اجتماعی بھلائی کے لیے کام کرنا۔

اردو فکشن میں خواتین کے تخلیقی سفر کے احوال و مقامات:

زیر نظر مضمون "اردو فکشن میں خواتین کے تخلیقی سفر" اردو تحقیق میں بہت اہمیت کا حامل ہے۔ یہ مضمون ہمیں اردو ادب میں "عورتوں کی خدمات" اور ان کے کاموں کے بارے معلومات فراہم کرتا ہے اور اس علاوہ وہ ان کی تخلیقات کے اقداراور معیار کو واضح کرنے میں مددگار ثابت ہوتا ہے، اس مضمون میں ڈاکٹر حمیرا قلم بند کرتی ہیں کہ ایک زمانہ تھا جب ادب کی دنیا میں مردوں کا بول بالا تھا ادب میں ان کا سکہ رائج تھا اور خواتین تخلیق کاروں کو عورت کی حیثیت سے روایتی نمبر دے کر ان کی حوصلہ افزائی کی جاتی تھی۔ لیکن آج کی نثر نگار خواتین کو دیکھتے ہوئے مرد لکھنے والوں کے ساتھ یہ روایتی سلوک روا رکھے جانے کی ضرورت ہے۔

اگر ناول کی تاریخ اٹھا کر دیکھیں تو" قرۃ العین حیدر سے بہتر کوئی نام نظر نہیں آتا۔ ڈاکٹر حمیرا اشفاق اپنے اس مضمون میں بتاتی ہیں کہ پہلے زمانے میں عورت کو، اس کی ذات / وجود کو، اور اس کے شعور / پہچان کو الگ الگ دیکھا جاتا تھا۔ اگر وجود کا ذکر کریں تو دیوان کے دیوان بھرے نظر آتے ہیں۔ مگر اس کے شعور کی تلاش میں نکلیں تو ادب میں اس کو سراہنا تو درکنار، اس کا ذکر تک نہیں ملتا۔

> "اگر اردو ادب کی تاریخ کو کھنگالا جائے تو اردو ادب کی ترویج میں درج ذیک نام
> پیش پیش نظر آتے ہیں۔ ان میں ملکہ سلطان، جہاں بیگم، بیگم فرمان روائے

بھوپال، محمدی بیگم، عطیہ فیضی، نذر سجاد،، نفیس دلہن، صغریٰ ہمایوں، موتی بیگم، فاطمہ زہرا بیگم، عباسی بیگم، خجستہ اختر، حامدہ بیگم الخیری، خدیجہ الکبریٰ، مہدی بیگم، وحیدہ بیگم اور بیگم شاہنواز شامل ہیں۔"(6)

اس مضمون میں ڈاکٹر حمیرا اشفاق بتاتی ہیں کہ عورتوں نے شاعری کے ساتھ نثر میں بھی اپنے کام کو منوایا۔ اردو کے نثری ادب کے ارتقا میں خواتین کا کردار بے حد فعال ہے۔ اردو افسانے کے فروغ میں اردو افسانہ نگاروں نے کلیدی کردار ادا کیا۔ اردو افسانے کے ارتقائی دور میں جب اردو ادب نے کئی کروٹیں بدلیں تو ہر طور، ہر رنگ میں خواتین تخلیق کاروں نے بھی ساتھ نبھایا۔ اس دور کی مسز عبدالقادر کی تحریروں کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

اپنے اس مضمون میں ڈاکٹر حمیرا کشور ناہید کے الفاظ بیان کرتے ہوئے مسز عبدالقادر (حجاب امتیاز علی) کے فن کا احاطہ کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

"برِصغیر کی افسانوی دنیا میں Gothic قسم کے پراسرار رومان کی فضا حجاب امتیاز علی نے قائم کی۔ 1936ء کی ترقی پسند تحریک کے تحت سب سے پہلے ضبط ہونے والی کتاب "انگارے" میں رشید جہاں کی کہانی میں جو عورت کے حقوق کا مسئلہ اٹھایا گیا، وہ اس فکر کی بازگشت تھی۔ جو حجاب امتیاز علی کی ابتدائی کہانیوں میں بھی طاقتور انداز میں اظہار پاتی ہے۔(7)

ڈاکٹر رشید جہاں: ڈاکٹر رشید جہاں ترقی پسند تحریک کی روحِ رواں تھیں۔ انگارے میں چھپنے والے افسانوں میں رشید جہاں کا افسانہ " دلی کی سیر " انگارے پر لگنے والے الزام کے بالکل متضاد تھا۔ کیونکہ اس افسانے میں کہیں بھی نقطہِ اعتراض نہیں بنتا۔ رشید جہاں کا افسانہ "غریبوں کا بھگوان " پر پریم چند کے واضح اثرات موجود ہیں۔ رشید جہاں نے عورتوں کے مسائل کو صنفی نظر سے نہیں دیکھا، بلکہ بطور انسان ان مسائل کا اظہار اور ادراک بھی ملتا ہے۔ رشید جہاں کے کردار صرف صنفی مسائل کا بوجھ اُٹھاتے نظر نہیں آتے بلکہ اجتماعی سماجی شعور کا اظہار بھی کرتے ہیں۔

حاجرہ مسرور بھی ترقی پسند تحریک کی نمائندہ افسانہ نگار ہیں۔انھوں نے عورت کی نفسیاتی اور ذہنی الجھنوں کو اپنے افسانے کا موضوع بنایا۔ ان کا افسانہ " بندر کا گھاؤ" کہانی کے اعتبار سے سادہ ہے۔ مگر اس میں بیان کیا گیا فلسفہ قاری کی توجہ اپنی طرف مبذول کروالیتا ہے۔ اس افسانے میں گھریلو قسم کی مثالوں کے ذریعے اعلیٰ سے اعلیٰ مثال پیش کی گئی ہے:

"اللہ اس نے للک کر پکارا اور پھر اپنی فریادی نظریں نیلے آسمان کی طرف اٹھائیں جو ایک وسیع ڈھکنے کی طرح دنیا پر رکھا ہوا تھا"۔(8)

قرۃ العین حیدر:

محترمہ قرۃ العین حیدر اردو ادب میں ایک بہت بڑا نام ہے۔چاندنی بیگم، میرے بھی صنم خانے، اگلے جنم موہے بٹیا نہ کیجو، سیتا ہرن، گردش رنگ چمن اور کار جہاں درازان کے بہترین ناول ہیں۔ ان کو اس ملک میں وہ مان سمان اور عزت و شہرت ملی جو کسی بھی مصنف یا مصنفہ کا خواب ہو سکتا ہے۔ محترمہ حیدر ہندوستان کی مشہور ترین اور مقبول ترین مصنفہ رہی ہیں۔انھیں دیگر انعامات و اعزازات کے ساتھ ادب کا سب سے بڑا ایوارڈ بھارتیہ گیان پیٹھ ایوارڈ بھی ملا۔

فردوس حیدر:

فردوس حیدر اردو افسانے کی ایک توانا آواز ہیں۔ان کا افسانہ گائے عورت کی جنسی آسودگی اور گھٹن کو بڑے علامتی پیرائے میں بیان کرتا ہے۔۔

ڈاکٹر حمیرا اپنے مضمون میں کشور ناہید کا اردو افسانہ نگاروں کے متعلق تجزیہ بیان کرتے ہوئے لکھتی ہیں کہ ساری خواتین افسانہ نگاروں میں یک زبانی پائی جاتی ہے۔ کہیں بھی مکالمے کی صورت نظر نہیں آتی، کسی بھی رشتے میں کوئی ڈائیلاگ نہیں ہے۔یہ انداز بہت سے بیمار ذہنوں کو پیدا کرتا ہے۔ غیر قدرتی انداز کو فروغ ملتا ہے۔ان میں ایک معصوم مگر لڑکی کی تعلیم کے آغاز سے اب تک متوسط طبقے کی لڑکیوں اوراستانیوں کے درمیان، چنگاریوں کے سے رشتے کو بھی عورتوں نے یہ موضوعِ سخن بنایا۔"

(ب) حمیرا اشفاق تحقیق و تدوین میں تانیثی رویوں کا تجزیاتی مطالعہ

1۔ نثرِ رشید جہاں:

مصنفہ کی کتاب "نثر رشید جہاں" جو کہ ان کی تحقیق اور تدوین کی عمدہ مثال ہے۔ جسے انھوں نے افسانوں، ڈراموں اور مضمون کی صورت میں تقسیم کیا ہے۔ یہ کتاب حمیرا اشفاق کی نثر کا بہترین انتخاب ہے اور یہ ان کی جدت انگیز صلاحیتوں، ذوق اور تخلیقی فکری کو بیان کرتا ہے۔ بلاشبہ مصنفہ کا شمار بھی اردو کے ترقی پسند مصنفین میں کیا جاتا ہے، مصنفہ کا انداز سلیس، سادہ اور آسان ہے۔ ان کی آنکھیں الفاظ کی سطح کا تعین اسی طرح طے کرتی ہیں جس زاویے سے وہ اپنے ارد گرد کے ماحول کو دیکھتی ہیں۔ ڈاکٹر حمیرا کے نے عام موضوعات پر کام کیا، جو عام زندگی کی عورت کی کہانی ہے، زندگی میں عام معمولات میں ہمیں عام عورت کی زندگی میں ہمیں نظر آتی ہے۔ ان کی کتابوں میں سادگی، اور برجستگی پائی جاتی ہے، جو کہ ان کی تحقیق و تدوین کا ایک اہم کا خاصہ ہے۔

ڈاکٹر حمیرا صاحبہ اردو ادب کی تقریباہر صنف سے وابستہ ہیں۔ بیک وقت اتنے عہدوں پر فائز ہوتے ہوئے بھی انھوں نے ایسے اچھوتے موضوعات پر قلم اٹھایااور انھیں منظرِ عام پر لائیں زندگی کے چھپے گوشے جو عام آنکھ سے نظر نہیں آتے، تلاش کر کے بیان کیے ہیں جنھیں پڑھ کر نہ صرف قاری حیران رہ جاتا ہے بلکہ وہ اس لفظوں کی دنیامیں کھو جاتا ہے۔

"نثر رشید جہاں" کے مقدمے میں انھوں نے اردو ادب میں ڈاکٹر رشید جہاں کی انسان دوستی، حالاتِ زندگی، تعلیمی و ادبی سفر، ترقی پسند تحریک کے ابتدائی ایام اور رشید جہاں کو بطور افسانہ نگاری پر بحث کی۔ یہ قدیم اور جدید رجحانات کا سنگم تھا۔

> " 1932 میں ہندوستان کا نوجوان طبقہ اپنی راہیں تحریک واپس لینے کے بعد گاندھی سے دل برداشتہ، خلافتِ تحریک کے لیڈر ان سے بد ظن، اشتراکیت کی شمع کی طرف کھنچتا، جواہر لعل کے قول و فعل کو تولتا، وہ سوچتا تھا منزل کہاں؟ راستہ کدھر؟ رہنما کون؟ رشید جہاں بھی اسی کشش و پیچ سے گزر رہی تھیں۔ گاندھی کی دعوت پر کچھ روز کھدر پہنا، پھر کچھ نوجوان "دہشت پسندوں کی صحبت میں کر ہتھیار بند انقلاب کے خواب دیکھے۔(9)

رشید جہاں کا ادبی سفر:

اردو ادب میں خواتین کے بارے میں علامہ راشد الخیری، ڈپٹی نذیر احمد، حالی اور دیگر لوگ بھی لکھ رہے تھے پھر ان کے افق پر اہلِ قلم خواتین بھی ابھریں۔ انھوں نے اپنی تحریروں کے ذریعے شعورِ نسواں کو بیدار کیا۔ خواتین کے رسائل "تہذیبِ نسواں"، "عصمت" بھی ان کی فکر کے عکاس تھے۔

> "رشید جہاں سکول کے زمانے سے گہرا ادبی ذوق رکھتی تھیں انھوں نے جب ازبیلا تھوبرن کالج میں داخلہ لیا تو یہاں انگریزی ادب کا مطالعہ کیا۔ انھوں نے اپنی پہلی کہانی" سلمٰی" اٹھارہ سال کی عمر میں لکھی۔ جو کہ انگریزی زبان میں تھی۔ اس کہانی میں متوسط طبقے کے گھروں میں رہنے والی خواتین کے مسائل کو موضوع بنایا گیا۔ میڈیکل کالج کے زمانے میں" لالہ رخ"نام کے ایک انگریزی ڈرامے کی ہدایت کی جو بے حد کامیاب ہوا۔"(10)

رشید جہاں نہ صرف "انگارے" کا حصہ تھیں بلکہ ان کے افسانوں کو میکسم گورکی، الیا ایرنبرگ، کے افسانوں کے برابر سمجھا جا سکتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ بحیثیت انسان اس کی شخصیت کی سمجھ اور اظہار کیا ہے۔ رشید جہاں نے اپنے افسانوں میں دھرتی اور صحراؤں کی مہک کو قید کیا ہے۔ وہاں ان کے افسانے صدائے احتجاج ہیں، چاہے وہ جاگیرداری اور سرمایہ داری کی شکل ہو یا مرد اور عورت کے سماجی بندھن کے متعلق۔

اس کتاب میں شائع ہونے والے ان کے افسانوں میں خواتین کردار نہ صرف اپنے ذاتی مسائل کا بوجھ اٹھاتے ہیں بلکہ اجتماعی سماجی شعور کا اظہار بھی کرتے ہیں۔ ان کے افسانے "افطاری" میں بے حس لوگوں کے قول و فعل کے تضاد اور"بھوک سب سے بڑا جہنم "کو موضوع بنایا گیا ہے۔ یہ افسانہ ان کی فنی فہم کے لحاظ سے بہترین افسانوں میں سے ایک ہے۔ افسانہ" نئی مصیبتیں" میں رشید جہاں کا قلم دوسری جنگ عظیم سے پیدا ہونے والے مسائل، غریبوں پر جارحیت کی قیمت کی فکر اور غریبوں کو آٹے کے بحران کا مسئلہ بیان کرتا ہے۔ ان کا چوتھا افسانہ ''سودا'' سماجی حقیقت نگاری کی انتہا ہے جہاں محض پیشے کی بنیاد پر جسم خریدا جاتا ہے۔ اس افسانے میں انسانوں کو انسانیت سے گرنے کی حد تک دکھایا گیا ہے کہ قاری کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں۔

اگر ہم رشید جہاں کے افسانوں کا جائزہ لیں تو پریم چند کے افسانے ان کے افسانوں میں نظر آتے ہیں۔اس کی ایک بڑی مثال ان کا افسانہ "غریبوں کا بھگون" ہے جس میں غریب عورت کے استحصال میں مذہبی رہنماؤں کا ہاتھ ہے۔ یہ افسانہ غریب عورت کے استحصال کی کہانی سنائی ہے۔ رشید جہاں نے اپنے افسانوں میں خواتین کے مسائل، خواتین کی جہالت اور رسوم و رواج کا شکار پسماندہ افراد کو موضوع بنایا ہے اور ان کے بارے میں کھل کر لکھا ہے۔باہو، چھڈے کی ماں، میرا ایک سفر، آصف جہاں کی بہو اور بی بسا نے خواتین کے ہاتھوں خواتین کے استحصال کو موضوع بنایاہے۔رشید جہاں کی تخلیقی دنیا حقیقی کرداروں کے گرد گھومتی ہے جو کبھی افسانے کے کرداروں میں ڈھال جاتے ہیں اور کبھی ڈرامے کے۔

اگرچہ ان کے ڈراموں کی تعداد صرف نو ہے لیکن یہ تمام ڈرامے سماجی حقیقت پسندی کی بہت خوبصورت عکاسی کرتے ہیں اور سماجی رویوں کی بھرپور عکاسی کرتے ہیں۔ ان کے ڈراموں میں خواتین کے حقوق اور ان کی تعلیم، ملازمت، ازدواجی تعلقات اور مذہبی تعصبات کو موضوع بنایا گیا ہے۔ رشید جہاں نے روزمرہ کے ہلکے پھلکے واقعات کو ڈرامائی رنگ میں پیش کیا ہے۔ترقی پسند رجحانات اور سیاسی اتار چڑھاؤ کا گہرا اثر ان کے ڈراموں میں جھلکتا ہے۔ حالانکہ موضوع کو بہت مزاح کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ رشید جہاں نے نہ صرف افسانہ نگاری، ڈرامہ نگاری جیسی اصناف پر کام کیا ہے بلکہ اپنی مضمون نگاری کے ذریعے بھی اردو ادب کی بہت خدمت کی ہے۔

ڈاکٹر حمیرا کے مطابق رشید جہاں کے ڈرامے "عورت" میں معاشرتی رویوں کی عکاسی ملتی ہے۔ان کے ڈراموں کے کردار مذہبی توہم پرستی کے خلاف بغاوت کرتے نظر آتے ہیں۔ ان کے افسانوں میں عورتوں پر نہ صرف مرد ظلم کرتے نظر آتے ہیں بلکہ عورتوں کو بھی اپنی ہم جنسوں کے ساتھ ظلم کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

رشید جہاں کی تخلیقات متنوع ہیں، چاہے وہ کہانی ہو یا ڈرامہ یا مضمون، وہ معاشرے کی نبض پکڑ کر اس کی بیماریوں کی تشخیص کرتی نظر آتی ہیں۔ان کے افسانوں، ڈراموں اور مضامین کا انتخاب حمیرا اشفاق کے علمی ذوق اور فن کا منہ بولتا ثبوت ہے۔پاکستان میں رشید جہاں کے ایسے ہی انتخاب کی ضرورت تھی جو "انگارے" کے علاوہ ادب کے قارئین کو اپنی تخلیقات سے منور کر سکے۔

ادب سے محبت کرنے والے حمیرا اشفاق کی اس کاوش کو اردو ادب میں ایک اچھا اضافہ سمجھیں گے۔ڈاکٹر حمیرا اشفاق صاحبہ کی نہ صرف افسانوی نثر بلکہ ان کی تحقیق وتدوین میں بھی جابجا تانیثی رجحان پایا جاتا ہے۔

2۔ مجموعہ محمدی بیگم:

ڈاکٹر حمیرا اشفاق کی تدوین شدہ کتاب مجموعۂ محمدی بیگم،"محمدی بیگم کی تحریروں کا ایک مجموعہ ہے ، جس میں ڈاکٹر حمیرا نے محمدی بیگم کے تمام کلام (تحریروں) کو یکجا کر کے نہ صرف ایک کتاب کی شکل دی ہے بلکہ محمدی بیگم کو خراجِ تحسین بھی پیش کیا ہے۔ محمدی بیگم (یا سیدہ محمدی بیگم) ایک مسلمان مصنفہ اور صحافی اور خواتین کی تعلیم کی ممتاز حامی تھیں۔انھوں نے رسالہ تہذیبِ نسواں شروع کیا، اور اس کی پہلی مدیرہ بنیں۔ ایک خاتون کی حیثیت سے انھیں اردو میگزین کی ایڈیٹنگ کا پہلا اعزاز حاصل ہے۔ وہ سید ممتاز علی کی اہلیہ تھیں۔ ان کی معروف تصانیف میں ادب مستون، صفیہ بیگم، شریف بیٹی اور رفیق عروس وغیرہ شامل ہیں۔

محمدی بیگم نے 1904 میں ماؤں کے لیے ایک ماہانہ رسالہ نکالا جس کا نام مشیر مدار تھا۔جس میں ماؤں کے لیے بہت مفید ہدایات اور مضامین تھے۔یہ رسالہ زیادہ دیر تک جاری نہیں رہا۔چونکہ مہذب عورتوں کی وجہ سے محمدی بیگم کو مہلت نہیں ملی، البتہ بچوں کی دیکھ بھال اور تعلیم کے حوالے سے انھوں نے مشیر مدار میں جو نصیحتیں اور ہدایات دیں، وہ سلسلہ مہذب خواتین میں شروع کیا۔

محمدی بیگم نے خواتین کی حوصلہ افزائی کے لیے 1907 میں "انجمن خاتونِ ہمدرد" کی بنیاد رکھی۔اس انجمن کے تحت ایک "دارالنسواں" بھی تھا جس میں غریب اور نادار خواتین کی ہر ممکن مدد کی جاتی تھی اور انھیں مختلف دستکاری سکھا کر روزی کمانے کے قابل بنایا جاتا تھا۔کچھ دنوں کے بعد ان کی "انجمن تہذیب نسوان" قائم ہوئی جس کی انھیں صدر مقرر کر دیا گیا۔ یہ ان کی کوششوں کی وجہ سے ہندوستان میں خواتین کی کانفرنس [کب؟] ہوئی جس میں ملک بھر کی ممتاز خواتین نے شرکت کی۔

ڈاکٹر حمیرا اشفاق نے اپنے اس مجموعۂ محمدی بیگم میں محمدی بیگم کی تصانیف کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے حصے میں انھوں نے افسانوی نثر، جبکہ دوسرے حصے میں غیر افسانوی نثر کو بیان کیا ہے۔افسانوی نثر میں انھوں

نے الف بائی ترتیب کے تحت ناول (آج کل ، صفیہ بیگم ،شریف بیٹی)، سوانح (حیاتِ اشرف) اور ترجمے (چندن ہار) (ماخوذاز موپساں، نیکلس) کو بیان کیا ہے جبکہ دوسرے حصے میں ڈاکٹر حمیرا نے غیر افسانوی نثر (آدابِ ملاقات، رفیقِ عروس، خانہ داری، سگھڑبیٹی) کی ترتیب سے بیان کیا ہے۔

ڈاکٹر حمیرا" محمدی بیگم "کے کام کو دوبارہ چھپتے ہوئے دیکھنا چاہتی تھیں۔ ڈاکٹر حمیرا جن کی تحریروں میں تانیثیت کے عناصر جابجاموجودہیں۔نہ صرف انھوں نے اپنی تحریروں میں خواتین کے معاشرتی رویوں کی عکاسی کی ہے۔بلکہ انیسیویں اور بیسویں صدی کی وہ مصنفہ جن کو اس زمانے کی رویت پسندی کی وجہ سے جگہ نہ مل سکی۔ جہاں عورت کو گھر کی چار دیواری تک محدود رکھا جاتا تھا۔روایت پسند طبقے نے خواتین کے لیے رسمی تعلیم کو مغربی تہذیب کی یلغار قرار دیتے ہوئے اسے مشرقی اقدار سے بغاوت قرار دیا۔ تعلیم کے حصول میں پردے کا حد سے بڑھتاہوارجہان بھی ایک وجہ تھی۔ جس سے باقاعدہ تعلیم کے لیے گھر سے نکلنا بطورِخاص اشرافیہ کی خواتین کے لیے معیوب سمجھا جاتا تھا۔

> "نوآبادیاتی ہندوستان میں جدیدیت کی لہر کسی نہ کسی حد تک عوام وخاص پر اپنے اثرات مرتب کر رہی تھی اس زمانے میں خواتین کا پڑھنالکھنا معیوب سمجھا جاتا تھا اور مسلم معاشرے کی ایک روایت یہ تھی کہ شریف زادیاں اپنانام نہیں ظاہر کرتی تھیں۔ اس لیے پٹنہ صوبہ بہار کی اس خاتون نے بھی "اصلاحِ النساء" اپنا تعارف اصل نام کی بجائے یوں کرایا تھا" والدہ محمد سلیمان، بنتِ سید وحیدالدین خان و ہمشیرہ سید امداد امام اثر"(12)

اس دور میں محمدی بیگم نے اپنے نام کے پردے سے بغاوت کرتے ہوئے اردو ادب کے منظرنامے پر جلوہ گر ہوئی۔ مندرجہ بالا حقائق کی روشنی میں محمدی بیگم کے تخلیقی سفر کا آغاز خواتین کے تشخص میں ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتاہے، اگرچہ محمدی بیگم کو اس کی بھاری قیمت چکاناپڑی۔ محمدی بیگم کے جریدے کا مقصد خواتین کی فلاح وبھلائی تھا۔ پہلی خاتون مدیر کی حیثیت سے انیسویں اور بیسویں صدی کی صحافت میں محمدی بیگم کا نام رہے گا۔

مستشرقین نے بھی کئی حوالوں سے اس دور کی خواتین کی ذہنی صلاحیتوں کا اقرار کرتے ہوئے بڑے اہم کام کیے جن میں گیل مینو (Gail Minaualt) کی کتابThe Secluded Scholors اہم حوالہ ہے۔ وہ محمدی بیگم اور ان کے دور کے متعلق لکھتی ہیں کہ:

محمدی بیگم ایک تخلیقی خاتون تھیں۔ وہ گہرے مشاہدے اور تجزیے کے بعد اس نتیجے پر پہنچی تھیں کہ خواتین کو جو کسی وجہ سے خود کو معاشی ضرورتوں کے لیے مرد کا محتاج سمجھتی تھیں، ان کو گھر کی چار دیواری کے اندر بیٹھ کر ذریعہ معاش پیدا کرنے کا درس بھی دیتی ہیں۔ وہ صرف غم کی تصویر بنے حالات کے آگے سرنگوں ہونے کی بات نہیں کرتیں، بلکہ انھیں تلقین کرتی ہیں کہ گھر کے معاشی معاملات میں بھی اپنا کردار ادا کریں تاکہ مرد اور عورت مل کر زندگی کی گاڑی کو بہتر انداز میں چلا سکیں۔

محمدی بیگم کا مقصد معاشرے کو بی بی اشرف جیسی روشن مثالوں سے روشناس کروانا تھا، جنھوں نے نہ صرف نامساعد حالات میں تعلیم حاصل کرنے کا سفر جاری رکھا جبکہ بیوگی کا دکھ جھیلنا پڑا تو استانی کے فرائض ادا کرتے ہوئے دو یتیم بچیوں کے ساتھ عزت و وقار کی زندگی بسر کی۔

محمدی بیگم نے تین ناول تحریر کیے جن میں "شریف بیٹی"، صفیہ بیگم اور آجکل شامل ہیں۔ ان کے ناولوں کو دیگر خواتین ناول نگاروں سے اپنے طرزِ بیان اور طرزِ فکر کے اعتبار سے منفرد مقام حاصل ہے۔ ناول صفیہ بیگم میں محمدی بیگمات دور کی تمام مظلوم لڑکیوں کا دکھ پیش کرتی ہیں جن کو شادی میں رضامندی کے حق سے محروم رکھا جاتا ہے۔ وہ پڑھی لکھی ہونے کے باوجود ماں باپ کے غلط فیصلے کے آگے سر نہیں اٹھاتیں۔

> "یہ میرے دل کی کمزوری ہے اور اپنی بری بھلی تعلیم کا نتیجہ ہے کہ میں اس وقت اپنی جان سے ہاتھ دھوئے بیٹھی ہوں۔ کاش میں سخت دل محض جاہل ان پڑھ لڑکی ہوتی۔ میں نے علم حاصل نہ کیا ہوتا۔ خدا اور رسولؐ کے احکام نہ پڑھے ہوتے۔ کیوں کہ اگر مجھے علم نہ ہوتا تو مجھے یہ خوف بھی نہ ہوتا کہ ناموافق شوہر کے حقوق خدمت نہ ادا ہونے سے میں گنہگار ہوں گی یا اس برائے نام شادی کا بعد میں جو انجام ہوگا اسے میں کیسے کاٹوں گی۔ اگر میں جاہل مطلق ہوتی تو مجھے اونچ

> پنچ کا مطلق خیال نہ ہوتا اور اس واقعے کے پیش آنے سے ذرا
> ملال نہ ہوتا یا اگر ہوتا تو اس قدر کہ میری آرزوئیں مر جاتیں
> نہ کہ میں خود ہی مر جاتی۔ میں خوش ہوں کہ میں اس دنیا سے
> جانے والی ہوں۔"(13)

محمدی بیگم کے ناول ان کے معاصر مرد ناول نگاروں کی نسبت خواتین کے معاشرتی رویوں کی زیادہ گہری، سادہ اور سچی تصویر کشی کی ہے۔ ان کے ناولوں میں اشراف، متوسط اور غریب تینوں طبقات سے تعلق رکھنے والی خواتین کے مسائل کو ان کے پسِ منظر میں رکھ کر سمجھنے اور پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ محمدی بیگم کے ناولوں میں مقصدیت کا رنگ بھی موجود ہے۔ جیسا کہ تعلیم کی اہمیت کو اجاگر کرنا، پڑھی لکھی اور ان پڑھ خواتین کے ساتھ روزمرہ کے معاملات اور مسائل کو پیش کرنا، اور خواتین کو اپنے لیے اور خاندان کے لیے کفالت کرنے کا حوصلہ دینا وغیرہ مگر کہیں بھی یہ مقصد وعظ یا نصیحت کے بوجھ سے کہانی کی دلچسپی کو نقصان نہیں پہنچاتا۔

اس کی ایک وجہ ان کا اسلوبِ بیان ہے۔ جس میں وہ تخلیقی آہنگ موجود ہے، جو بڑی سے بڑی بات کو بھی روزمرہ اور محاورے کی زبان میں سمجھانے کا ملکہ رکھتا ہے۔ تاریخ کسی دور کے بڑے واقعات کے بیان کی تو صلاحیت رکھتی ہے لیکن ادب میں کسی بھی دور کو اس کی جزئیات کے ساتھ پیش کرنے کا ہنر موجود ہے۔ محمدی بیگم کے ناول بھی خواتین کی تحریکوں کے تہذیبی اور ثقافتی تناظرات میں سمجھانے میں بے حد معاون ثابت ہوتے ہیں۔

ڈاکٹر حمیرا اشفاق نے اپنے اس مجموعے میں محمدی بیگم کی کاوشوں کو بیان کیا ہے اور ان کی تمام تحریروں کو ایک کتاب (مجموعے) کی شکل دے دی ہے جس میں ڈاکٹر حمیرا نے عورتوں کے لیے محمدی بیگم کی جدوجہد، ان کی اصلاح کے لیے کیے گئے اقدامات، انیسویں صدی کا وہ عہد جب عورتوں کو گھر سے باہر جانے کی اور لکھنے کی اجازت نہ تھی اور اس دور کی عورتیں اگر لکھنا چاہیں تو وہ اپنا نام استعمال کیے بغیر لکھتی تھیں۔ ایسے میں محمدی بیگم ایسا نام ہیں جنھوں نے اس عہد کی عورتوں کی فلاح و بہبود کے لیے اقدامات کیے۔ لیکن اس کے باوجود ان کی خدمات منظرِ عام پر نہ آسکیں اور اور انھیں وہ مقام نہ مل سکا جو ملنا چاہیے تھا۔

ڈاکٹر حمیرا کے اس مجموعے "مجموعہ محمدی" میں محمدی بیگم کے کام کو ایک کتاب کی شکل دے کر نہ صرف ان کے کام کو ہمارے سامنے لائی ہیں بلکہ ان کا یہ مجموعہ اردو ادب میں ایک گراں قدر اضافہ ہے۔ جس کی وجہ سے اردو ادب پڑھنے والے محمدی بیگم کے کام سے آشنا ہو سکیں گے۔

3۔ مجلہ خاتون:

اپنے اس مضمون میں ڈاکٹر حمیرا اشفاق بتاتی ہیں کہ 1903 میں محمڈن ایجوکیشن کانفرنس میں پہلی بار خواتین کو پردے کے پیچھے سے کانفرنس میں شرکت کا موقع ملا۔ عورت ادب میں بھی اپنے لیے نئی راہیں ہموار کر چکی تھیں۔ اس کے علاوہ مردوں میں بھی یہ احساس جنم لے چکا تھا کہ خواتین کو ساتھ لے کر ہی ایک معاشرے میں تبدیلی کی توقع کی جاسکتی ہے۔ مولوی ممتاز علی، مولوی محبوب عالم، مولوی شبلی نعمانی کی تحریروں کے ساتھ، ساتھ مولوی سید احمد کا پہلا رسالہ "النساء" جاری ہو چکا تھا

> "1904ء میں علی گڑھ میں پہلی بار عورتوں کی کانفرنس منعقد ہوئی۔ جس کے بانی شیخ عبداللہ تھے۔ جس میں عورتوں کی تعلیم اور آزادی کے سلسلے میں بہت فیصلے کیے گئے۔ بیگم عبداللہ بھی اس نیک عمل میں اپنے شوہر کے ساتھ تھیں۔ انھی دنوں انھوں نے بھی خواتین کا جلسہ منعقد کیا۔ 1904 میں تعلیمِ نسواں کی تحریک میں جان ڈالنے کے لیے ایک رسالہ جاری کیا، جسکانام " خاتون" جس کا پہلا شمارا جولائی 1904 میں منظرِ عام پر آیا۔(14)

رسالہ "خاتون" کا مقصد عوتوں کے لیے بند کواڑوں کو کھولنا تھا۔ عورتوں کے لیے تعلیم کی اہمیت کو اجاگر کرنا، اور ان کو ان کی اہمیت و شناخت سے آگاہ کرنا۔ اس رسالے کا مقصد بھی خواتین میں تعلیمی اور تعمیری سرگرمیوں کو بیدار کرنا تھا۔ اس رسالے کا مقصد خواتین میں مضمون نویسی کا شوق ابھارنے اور ایسے مضامین کی اشاعت تھا۔ جس سے خواتین کے کردار کو مضبوط اور باعمل بنایا جائے۔

اس رسالے میں نہ صرف مظامین کو جگہ دی گئی بلکہ افسانے کو بھی اس کی زینت بنایا گیا۔ نظر بنت الباقر کا افسانہ "ہائیں تم بھی انھی کی بیوی ہو" اسی میں شائع ہوا۔ اس افسنے میں رسمی تعلیم کی اہمیت اور تعدادِ ازواج کی مخالفت کے پہلو کو ابھارا گیا ہے۔

کہانی میں دو مسافر خواتین کے درمیان ہونے والے مکالمے ہندوستانی معاشرت کی گھٹن کا نتیجہ معلوم ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک دوسری کو سفر کے اختتام سے ذرا پہلے کہتی ہے کہ اپنا نام، پتہ بتا دو۔ تو ہم ایک دوسرے سے خطوط و کتابت رکھ سکتے ہیں۔ مگر ساتھ ہی کہتی ہے کہ

> "میں اپنا نام آپ کو بتائے دیتی ہوں اور پتا بھی، مگر کہ افسوس کہ میں لکھنا پڑھنا بلکل نہیں جانتی، جب تک پشاور ہوں آپ کو خط نہ لکھ سکوں گی"--- (دوسری جواب دیتی ہے کہ) افسوس آپ کو لکھنا نھیں آتا تو میں آپ سے خط و کتابت جاری نہ کر سکوں گی۔ کیونکہ آپ جواب اپنے شوہر سے لکھوائیں گی اور یہ بات ہم لوگوں میں سخت معیوب ہے کہ نامحرم اشخاص کے لکھے ہوئے خط مستورات کے نام آئیں۔ خواہ کسی عورت ہی کی طرف سے ہوں۔"(14)

"خاتون" میں زہرا صاحبہ کا ایک مضمون "طرز تعلیم" کے عنوان سے شائع ہوا۔ اس مضمون کا عنوان تو تعلیم سے متعلق ہے لیکن اس میں خواتین کا بچوں کی پرورش میں منفی طرزِ عمل مثلاََ ڈرا دھمکا کر سلانا وغیرہ کو مناسب انداز میں تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ ان خیالات کے بین السطور جو اصل پیغام نظر آتا ہے وہ یہ کہ جاہل مائیں بچوں کے ساتھ یہ رویہ اپنا کر انھیں آہستہ آہستہ انجانے خوف میں مبتلا کر کے ذہنی مریض بنا دیتی ہیں۔

زہرا صاحبہ لکھتی ہیں:

> "ہر بات ماں باپ کے اثر سے بچوں میں پیدا ہوتی ہے۔ لیکن جب ماں باپ ہی تعلیم سے کورے ہوں تو وہ دوسرے کو کیا خاک بتائیں گے۔ شکر ہے کہ اب کسی قدر توجہ ہو چکی ہے ورنہ پہلے تو عورتوں کا تعلیم پانا گناہِ عظیم سمجھا جاتا تھا۔ یہ ہی جہالت کی وجہ تھی"(15)

بیسویں صدی کے آغاز میں جب خواتین کے لیے باقاعدہ الگ تعلیمی مدارس کی بات کرنا بھی معیوب سمجھا جاتا تھا۔اس طرح کے ماحول میں بیگم بھوپال ایک ایسی شخصیت کے طور پر سامنے آتی ہیں جنھوں نے اپنی ریاست میں لڑکیوں کے لیے سکول کھول رکھا تھا۔ یہ سکول مسلمانوں کے لیے الگ اور ہندو لڑکیوں کے لیے الگ تعلیمی ضروریات پوتی کرتا تھا۔1906 میں شیخ عبداللہ کی نگرانی میں قائم ہونے والے سکول کو بھی بیگم بھوپال کی سرپرستی حاصل ہوگئی۔ انھوں نے عطیہ کی شکل میں ایک خاصی رقم لڑکوں کے لیے دی۔ بعد میں حکومتِ برطانیہ نے بھی اس رقم کے برابر گرانٹ منظور کی۔ اس طرح ہندوستانی مسلمانوں میں خاتون کی پہلی تعلیمِ نسواں تحریک کا آغاز ہوا۔

4۔ مجلہ عصمت کا انتخاب:

ڈاکٹر حمیرا اشفاق نے اپنی تدوین اور ترتیب شدہ کتاب "عصمت" میں نو آبادیاتی ہندوستان میں خواتین کی مجلاتی صحافت کو بیان کیا ہے۔ یہ وہ دور تھا جب خواتین کے لیے تعلیم دروازے تقریباً بند تھے۔ ان مقفل کواڑوں کو کھولنے میں خواتین کے ادبی رسائل کا کردار مسلم ہے۔اس دور میں "عصمت" اپنی انفرادیت کے ساتھ خواتین کے لیے بیداری شعور کا اہم پیغام بن کر آیا۔

> "عصمت" کا پہلا کام خواتین کو مردوں کے حقوق پر یکجا کرنا ہے۔جو ان پر فرض ہیں۔.......... مگر بے انصافی ہوگی اس کا خیال بھی نہ کریں ان کے بھی کچھ حقوق مردوں پر ہیں۔ لیکن جس طرح کسی بچے کے منہ در منہ اس کی حمایت لینا اس کو زیادہ جرات دلانا ہے، اسی طرح "عصمت" بھی حقوقِ نسواں کا مردوں سے مطالبہ مجبوری و معذوری تھی۔"(17)

ڈاکٹر حمیرا اشفاق نے اپنی اس کتاب "عصمت" کو 7 ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا باب کا عنوان "لڑکیوں کی جدید تعلیم" کے عنوان سے ہے۔اس باب میں ڈاکٹر حمیرا اشفاق نے تعلیم نسواں، مسلمانوں میں عورتوں کی تعلیم، تعلیم نسواں کی اہمیت، ہندوستان اور تعلیم نسواں، ہماری موجودہ تعلیم، انگریزی تعلیم کے خلاف بے جا تعصب اور ہمارا تعلیم نصاب وغیرہ پر تقسیم کیا گیا ہے۔

اس باب میں سوال کیا گیا ہے کہ عورت کی تعلیم مرد کی مرضی کے مطابق ہوتی رہے گی جب تک مرد اپنی رائے پر بھی استوار و قائم نہیں رہ سکتے؟لڑکیوں کی تعلیم ایسی ہونی چاہیے جو انسانی حیثیت سے ان کو

کارآمد بنائے۔۔ جو ان کو وہ باتیں سکھائے۔ جن سے انسانیت کی تکمیل ہوتی ہے۔ صرف شادی کے لیے لڑکیوں کو تیار کرنا عورتوں کی انفرادیت اور اس کی زندگی کے مقصد کی بہت بڑی ہتک ہے۔ لڑکیوں کو علم و ہنر اور اخلاق سے آراستہ کریں کہ یہ چیزیں بطور خود اچھی ہیں۔ شادی کے لیے تیار نہ کیجیے صرف اس لیے کہ مارکیٹ میں ان کی مانگ ہے۔ یہ جدوجہد وکاوش جو آج لڑکیوں کی تعلیم کے لیے کی جارہی ہے۔ یہ بجائے قابلِ تعریف ہونے کے قابلِ نفرت ہے۔ عورت کی آزادی کی دلیل، عورت کی ذلت اور غلامی کی دلیل ہے کیونکہ یہ ساری کوشش مرد کی مرضی کے مطابق عورت کی ساخت کے مقاصد سے ہورہی ہے۔

دوسرا باب "معاشرے کی ترقی میں خواتین کے کردار" کے عنوان سے ہے، اس باب کو دو ذیلی عنوانات (الف) علمی اور ادبی سرگرمیاں اور (ب) اصلاحِ رسوم اور خواتین" پر تقسیم کیا گیا ہے۔

ڈاکٹر حمیرا اشفاق اس باب میں بتاتی ہیں کہ ہمارے ہاں پوری تعلیم کی سخت ضرورت ہے۔ صرف معمولی پڑھنا لکھنا جان لینے سے کام نہیں چلتا ہے۔ اگر جاہل لڑکے اور لڑکی کو ملا دیا جائے تو اس سے کوئی فائدہ نہیں بلکہ خراب نتائج پیدا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

> "جو انسان اپنے عہدہ اخلاق کو اپنا سرمایہ سمجھتا ہے اور اپنی زندگی کو مکروہات سے تحفظ رکھ کر پاکیزہ اصول پر لگاتا ہے۔ اگر وہ عزت وشہرت کچھ بھی حاصل نہ کرسکے، تاہم وہ ناکام نہیں ہے۔ حقیقیت میں ناکام اور برباد وہی شخص ہوتا ہے جو کسی کام کے خبط میں اپنے اخلاق کو تباہ وبرباد کردے۔(18)

تیسرا باب "اسلام اور خواتین کے حقوق" کے عنوان سے ہے۔ اس باب میں قانونی حقوق جو اسلام نے عطا کیے جیسے اسلامی قانونِ وراثت، تنسیخِ نکاح وغیرہ کو بیان کیا گیا ہے۔

اس باب میں ڈاکٹر حمیرا رسالہ عصمت جنوری 1944 کا اقتباس درج کرتی ہیں کہ حق اور فرض کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ فرض کی ادائیگی سے ہزاروں کوس دور اور حق لینے کو سب سے پہلے موجود۔ یقیناَ یہ انسانیت نہیں اور ایسے عمل سے اسلام کا منشا ہرگز پورا نہیں ہوتا۔ اسلامی قوانین کو ملکی قوانین سے رد کروانا ایک نہایت ہی قبیح بات ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا راشد الخیری مرحوم تعدادِ ازواج ازالہ کے خلاف تھے اور بہت سے مسلمانوں نے شاردا ایکٹ کے خلاف احتجاج کیا کیونکہ اگر ایک دفعہ اسلامی قوانین کے ردوبدل کے اصول کو منظور کرلیا گیا تو نتیجہ کیا ہوگا۔ ظاہر ہے لیکن جب معاشرتی حالات ایسے ہوگئے ہیں کہ اسلامی قانون کا

ادھورا استعمال عین منشاء اسلامی کے خلاف ہوتا ہے تو اس صورت میں رائے عامہ اس کے خلاف ہو کر اس کو مسدود نہیں تو اس پر عمل درآمد تقریبا ممنوع کر سکتی ہے۔

چوتھا باب "گھریلو زندگی" کے عنوان سے ہے۔اس باب میں منگنی، لڑکی کی نسبت، شادی بیاہ، رضامندی کی شادی، ساس، بہو اور مشترکہ خاندان کے حقوق اور بچوں کی پرورش کے حقوق و فرائض کے بارے میں معلومات اور آگہی دی گئی ہے۔

> "یہ آج کل عام طور پر سنا جاتا ہے شادیاں بہت زیادی ناکام ہو رہی ہیں اور اس کا الزام لڑکیوں کی بے جا آزادی اور خانہ داری سے ناواقفیت وغیرہ کے سر ڈالا جاتا ہے۔حالانکہ اصل قصور عام عور پر مردوں کا ہوتا ہے۔وہ عورت کے جذبہِ خوداری ے بیدار ہو جانے کے بعد بھی اس سے ایسا ہی سلوک کرنا چاہتے ہیں، جیسا کہ اب تک کرتے آئے ہیں۔شوہر کی اس قسم کی رکیک حرکت بیوی کے لیے انتہائی ذلت کا باعث ہوتی ہے اور اس کی غیرت اسے اجازت نہیں دیتی کہ ازدواجی زندگی کی روح جا چکی تو اس کے جسدِ بے جان کو لیے بیٹھی رہے(19)

پانچواں باب "مساوی سماجی اور معاشی مواقع" کے عنوان سے ہے اس باب میں خواتین کی اقتصادی حیثیت، جنسی تفریق اور آزادیِ نسواں کو بیان کیا گیا ہے۔

چھٹا باب "سیاسی عمل میں شرکت" کے عنوان سے ہے اس باب میں نو آبادیاتی ہندوستان اور خواتین کے کردار کو بیان کیا گیا ہے۔اس باب کے ذیلی عنوانات میں لیڈی منٹو اور مسلم خواتین، مسلم خواتین کا نصب العین، دنیا کی تعمیر میں عورت کا حصہ اور عورتیں ملک کی خدمت میں کیا کردار ادا کر سکتی ہیں؟ شامل ہے۔

عصر حاضر میں خواتین کی سیاسی دلچسپی بھی بڑھتی جا رہی ہے۔وہ یہ سمجھنے لگی ہیں کہ آزادی حاصل کرنا ان کا ایک فطری حق ہے۔کانگریس، مسلم لیگ وغیرہ سے خواتین کو ہمدردی ہے اور نہایت خوشی سے وہ ان میں شریک ہوتی ہیں اور انہاک کے ساتھ عملی حصہ لیا کرتی ہیں۔اس طرح سیاسی میدان میں ان کی دلچسپی کا مظاہرہ ہو رہا ہے۔

اس تفصیل سے واضح ہو سکتا ہے کہ عصرِ حاضر میں خواتین کی دلچسپی کے کئی مسائل ہیں، جن میں سے بعض ہر حیثیت سے قابلِ ستائش اور لائقِ توصیف ہیں اور بعض امور توجہ اور اصلاح کے محتاج بھی ہیں۔ ضرورت ہے کہ اچھی باتوں کو اختیار کیا جائے اور آنکھ بند کر کے صرف یورپ کی تقلید کرنے کی بجائے اولاً اس کی جانچ کر لی جائے۔ مشرق اور مغرب کی اچھی باتوں کا سنگم ہی ہماری ترقی کا باعث ہو سکتا ہے۔

ساتواں باب "متفرق" کے عنوان سے ہے۔ جس میں فیشن اور خواتین، تہذیبِ جدید میں تباہی، سینا پرونا اور دیس دیس کی خواتین کو بیان کیا گیا ہے۔

اس باب میں یہ بتایا گیا ہے کہ ہندوستانی عورتیں مغربی عورتوں کی فیشن پرستی کو کورانہ تقلید تو ضرور کرتی ہیں۔ لیکن مغربی عورتوں کی طرح احساسِ فرائض سے قطعاً غافل نہیں۔ مغربی عورتیں فیشن ایبل ہونے کے علاوہ کارخانوں میں کام کرنے والے مزدور، طیارے اڑانے والی طیارہ باز اور میدان جنگ میں بموں کے درمیان قومی سپاہی بن کر دشمن کا مقابلہ اور زخمی سپاہیوں کی تیارداری کرتی ہیں۔ قوم و ملک کی نشو و نما کے لیے جان تک قربان کر دینے سے گریز نہیں کرتیں۔ لیکن ایک ہم ہیں کہ اپنے آپ کو صرف فیشن کے دھارے پر چھوڑے ہوئے ہیں اور زندگی کے مصائب اور شدائد کو جھیلنے کی ذرا بھی کوشش نہیں کرتیں۔

ڈاکٹر نیلم فرزانہ کے مطابق خواتین کی افسانہ نگاری کی ابتدائی جھلک 1927 کے رسالے "عصمت" میں دیکھی جا سکتی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ناصر عباس نیرؔ، ڈاکٹر،جدید اور مابعد جدید تنقید،انجمن ترقی اردو،سنگ میل پبلی کیشنزص25

۲۔حمیرا اشفاق، ڈاکٹر،تانیثیت کا نیا دور ،سنگِ میل پبلی کیشنز،،لاہور،۲۰۱۹ء،ص۱۳۔

۳۔ایضاً، ص ۴۵۔

۴۔ایضاً،ص۱۲۶۔

۵۔ایضاً،ص۱۰۷۔

۶۔ایضاً،ص۱۳۔

۷۔حمیرا اشفاق ڈاکٹر،فہمیدہ ریاض کی شاعری کا کثیر الجہتی مطالعہ،مضمون)،تحقیقی جریدہ(ریسرچ جرنل) ، بین الاقوامی یونیورسٹی ، اسلام آباد،

۸۔ایضاً۔

۹۔ایضاً،ص۲۵۳۔

۱۰۔حمیرا اشفاق، ڈاکٹر،نثرِ رشید جہاں(مرتبہ)، سنگِ میل پبلی کیشنز،لاہور،۲۰۱۲ء ،ص۱۰

۱۱۔ایضاً، ص۱۱۔

۱۲۔ایضاً، ص۷۔

۱۳۔حمیرا اشفاق ،ڈاکٹر،مجموعہ محمدی بیگم (مرتبہ)، سنگِ میل پبلی کیشنز،،لاہور،۲۰۱۹ء ،ص۸

۱۴۔حمیرا اشفاق، ڈاکٹر،نثرِ رشید جہاں(مرتبہ)، سنگِ میل پبلی کیشنز،،لاہور،۲۰۱۲ء ،ص۱۲

۱۵۔ایضاً، ص۱۳۔

۱۶۔ایضاً،ص۲۲۰۔

۱۷۔ایضاً، ص۱۱۳۔

۱۸۔حمیرا اشفاق، ڈاکٹر،عصمت ، سنگِ میل پبلی کیشنز ،لاہور،۲۰۱۸ء،ص۴۶۔

۱۹۔ایضاً، ص۱۱۸۔

۲۰۔ایضاً، ص ۲۵۳

باب چہارم:۔

الف۔ مجموعی جائزہ

مرد اور عورت ایک دوسرے کے لیے اتنا ہی ضروری ہیں جتنا کہ گاڑی کے پہیے ہیں، کسی ایک کی کمی زندگی کی گاڑی کے توازن میں بگاڑ پیدا کر سکتی۔ مرد اور عورت دونوں ہی اس سماج کی ترقی میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔ اگر معاشرے پر نظر ڈالی جائے تو یہ بات دیکھنے میں آئی ہے کہ ہمارا معاشرہ مرد کی اجارہ داری کو ظاہر کرتا ہے۔ عورت کے کردار کی نفی کر کے عورت کی تذلیل کی گئی ہے۔ عورت جو کہ ایک ماں، بیوی، بیٹی اور بہن ہونے کی حیثیت سے معاشرے کا ایک لازمی جزو ہے، لیکن اس کے باوجود عورت کی سمجھ اور حیثیت کو اہمیت نہیں دی جاتی، مرد چاہتا ہے کہ عورت مرد کی مرضی سے اٹھے، بیٹھے، غرض ہر کام کرے۔ مرد کے نزدیک عورت کی حیثیت ایک روبوٹ جیسی ہے۔اس جنسی امتیاز کی بدولت معاشرے میں " تانیثیت " کی تحریک منظرِ عام پر آئی۔

تانیثیت معاشرے کو متوازن اور مہذب بنانے کا ایک عمل ہے۔ یہ اس آگہی کا نام ہے جس سے پچھلی نسل بے خبر رہی ہے۔ عورت جو خود کو مکمل انسان سمجھنا بھول گئی ہے اور خود کو مرد کی ضرورت اور آرام کا ذریعہ سمجھتی، بیدار ہوئی۔ اس میں تانیثی شعور بیدار ہوا کہ مرد اور عورت ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہیں اور دونوں کے ایک دوجے کے لیے برابر کے حقوق رکھتے ہیں۔

تانیثیت کا مقصد مردوں سے احتجاج نہیں، نہ ہی تانیثیت کا مقصد یہ ہے کہ عورت اپنے فرائض اور ذمہ داریوں سے غافل ہو جائے۔ تانیثیت کی تحریک کا مقصد یہ ہے کہ بس عورتوں کو بھی انسان سمجھا جائے اور بہ حیثیت انسان اس کے حقوق بھی اسے ادا کیے جائے، تانیثیت کی تحریک سڑکوں پر احتجاج اور مظاہرے کا نام نہیں۔ بلکہ یہ عورتوں کی فطرت کو سمجھا جائے، نیز اس کی عقل و دانش کو سمجھتے ہوئے اسے فیصلے کے اختیارات بھی دیے جائیں۔

مختلف لغات میں تانیثیت کے لیے متبادل لفظ کی حیثیت سے Feminism کی اصطلاح رائج ہے۔ ویبسٹر ڈکشنری اور انگریزی کی دیگر لغات کے مطالعہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ان لغات نے عورتوں کے حقوق کو

مدد پہنچانے کے لیے کی جانے والی تحریک کو Feminism کی حیثیت دی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ اس لفظ کو انگریزی میں اسم کی حیثیت سے بھی استعمال کیا گیا ہے۔ اردو میں اس تحریک کے لیے کبھی نسائی تحریک اور کبھی نسائی حسیت کی تحریک کے الفاظ استعمال کیے گئے۔

طویل عرصہ تک متبادل اصطاح کے لیے مختلف رویے پیش نظر رہے لیکن عصر حاضر میں Feminism کے لیے اردو میں متبادل اصطلاح تانیثیت استعمال کی جاتی ہے۔

فرہنگِ اصطلاحات اور اردو کی بیشتر لغات میں Feminism کا اندراج موجود نہیں ہے، کیوں کہ اردو لغت کی ترتیب کے دور تک اردو میں اس اصطلاح کا چلن عام نہیں ہوا تھا۔ غرض یوروپی دنیا میں عورتوں کو مردوں کے مساوی مقام دالنے اور ان کے حقوق کی پامالی سے روکنے کے علاوہ ترقی کے مواقع فراہم کرنے کے لیے جو تحریک چلائی گئی اس میں عورتوں کو مردوں کی طرح آزادانہ عمل وحرکت کی گنجائش پیدا کی گئی، اسے تانیثیت کا موقف حاصل ہوا، لیکن رفتہ رفتہ تانیثیت کی تحریک کو ایسا عروج حاصل ہوا کہ اس کی ماننے والی خواتین نے مرد کے وجود اور اس کی بالا دستی کو نظر انداز کرتے ہوئے یہ نظریہ پیش کیا کہ عورت ہی کائنات کی اہم ضرورت ہے جس کے بغیر مرد کسی قسم کے دنیوی سکون کا تصور نہیں کر سکتا، اس لیے عورت کے وجود کو ہر قسم کی سہولتیں فراہم کی جانی چاہیے۔

غرض تانیثیت کے علمبرداروں نے پدرانہ سماج کی مخالفت کرتے ہوئے مرد اساس معاشرہ کی مخالفت اور عورتوں کی برتری کو اہمیت دے کر ساری دنیا کے معاشرے میں عورت کے استحصال کے خالف آواز اٹھائی۔ اِس روش کو یوروپی دنیا میں فروغ حاصل ہوا اور یوروپ کے توسط سے ہندوستان کی سرزمین میں بھی تانثیت کے اثرات عام ہونے لگے۔

تانیثیت کی نمائندگی کرنے والی خواتین نے عورت کی گھریلو زندگی اور اسے بقائے نسل انسانی کا ہتھیار بنا کر اس کی عصمت، عفت اور پردے کی پابندی کو ضروری سمجھا لیکن سماجی ترقی کے پس منظر میں خواتین نے اس نظریہ کی مخالفت کرتے ہوئے عورتوں کو مردوں کے مساویانہ حقوق فراہم کرنے کا نعرہ بلند کیا اور یہی نعرہ تانیثیت کا گھوارہ بن گیا۔

عورت اور معاشرے میں اس کے ساتھ ہونے والے برتاؤ کا موضوع قدیم آیام سے ہی مختلف معاشروں اور تہذیبوں میں زیر بحث رہا ہے۔ دنیا کی آدھی آبادی عورتوں پر مشتمل ہے۔ دنیا میں انسانی زندگی کا دار و مدار جتنا مردوں پر ہے اتنا ہے عورتوں پر بھی ہے جبکہ فطری طور

پر عورتیں خلقت کے انتہائی اہم امور سنبھال رہی ہیں۔ خلقت کے بنیادی امور جیسے عملِ پیدائش اور تربیت اولاد عورتوں کے ہاتھ میں ہے۔ مرد اور عورت کا صحیح اور منطقی رابطہ عشق و الفت کا رابطہ ہے، دوستی و محبت کا رابطہ ہے، وہ ایک دوسرے سے محبت کریں، ایک دوسرے کے گرویدہ رہیں اور آپس میں ایک دوسرے پر نثار ہوں۔

عورتوں کی آزادی کی پہلی آواز 1848ء میں باقاعدہ طور پر برطانیہ اور امریکہ میں شروع ہوئی جب کہ عورتوں کی آزادی کا دوسرا اعالنیہ 1880ء تا 1920ء کے عرصہ پر محیط ہے۔ اس پورے دور میں تاریخی اعتبار سے عورت نے صلح کے نسوانی طریقہ کو مسترد کرتے ہوئے یہ مطالبہ پیش کیا کہ عورت کو مکمل آزادی دی جانی چاہیے۔ اس سے پہلے یوروپ کی سرزمین میں خواتین کی تحریکِ نسواں کے دوران جو مطالبات پیش کیے گئے تھے وہ سیاسی اور معاشرتی برابری سے متعلق تھے۔ انیسویں صدی کی آٹھویں دہائی سے عورت کی آزادی کا ایک نیا قومی رخ جنس کی حیثیت سے نمایاں ہوا۔

تانیثی شعور کی اہمیت اس لیے بھی اہم ہے کہ شعور اور آگہی کے بغیر جو بھی لکھا جائے اس کا اپنے سماج اور عہد سے تعلق نہیں بن پاتا۔ یہی وجہ ہے کہ تانیثی شعور کا سراغ لگانا بھی ضروری ہے۔ خواتین لکھنے والیوں کے حوالے سے جو مطالعات مسلسل سامنے آرہے ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ شعور ہرگز نیا نہیں ہے۔ اس کا آغاز ہمیں گیارھویں صدی سے نظر آتا ہے۔

تانیثیت کی ترقی کی سب سے اہم وجہ یہ بھی ہے کہ براعظم ایشیاء میں بسنے والی قوموں نے عورت کو مساویانہ حقوق فراہم کرنے کی بھرپور تائید کی، اسی لیے تانیثیت کو مشرقی ممالک میں ترقی کا موقع فراہم ہوا۔

ادبی نظریہ یا ادب کا تانیثی مطالعہ کیا ہے؟ کیا مادیت کے بھی وہی فکری اہداف ہیں جو ادب میں مادیت پسند نظریہ کے مباحث میں بیان کیے گئے ہیں؟ ادبی نظریہ، جو ادب کے معنوی نظام کو سمجھنے کا مطالعہ ہے، ادبی تجزیے کی راہ ہموار کرتا ہے۔ پچھلی صدی کی چھٹی دہائی میں جب ادبی تھیوری کا رواج عام ہوا تو ادب کے موضوعاتی مطالعے نے بھی راہ دکھائی۔ پوسٹ نوڈیموگرافک اور اینتھروپولوجیکل اسٹڈیز کے "نظریہ" کے پیچھے مابعد جدید فکر کا یہی بنیادی اصول کارفرما تھا کہ وہ تمام چیزیں جو مرکزی سمجھی جاتی ہیں ان چیزوں سے بدلی جاسکتی ہیں جو متن میں مرکزی نہیں ہیں حاشیے پر سمجھا جارہا ہے۔

حقیقت میں کوئی بھی چیز حتمی طور پر محسوس نہیں ہوسکتی ہے۔ جو جتنا موجود ہے اتنا ہی غائب ہے۔ اس طرح، حاشیے پر موجود چیزوں کا بنیادی دعویٰ پر وہی حق ہے جتنا کہ مرکزی متن پر موجود خیالات یا چیزوں کا۔

جو مرکزی ہونے کا دعویٰ کیا جارہا ہے اسے ''مکمل'' کہا جارہا ہے ورنہ وہ بھی نامکمل ہے۔ نامکمل جس طرح حاشیے پر موجود خیالات اور چیزیں نامکمل یا خام ہونے کی "سچائی" سے لپٹ جاتی ہیں۔ اگر سماجی تشکیلات کے کسی دوسرے پہلو کا تعین کیا جائے تو وہ اس پہلو کو سچائی کے طور پر پیش کریں گے۔ یعنی سماجی طور پر تعمیر شدہ اشیا یا خدشات کی کوئی ایک شکل حتمی نہیں ہے اور نہ ہی جبر کے ذریعے ان سے پہلے یا تاخیر کی جاسکتی ہے۔

مابعد الطبیعاتی نظریہ، جس کی بنیاد پر ادب کی مابعد الطبیعیاتی تنقید وجود میں آئی، بنیادی طور پر تین حصوں پر مشتمل ہے:

1. معاشرے کے تناظر میں خواتین

یعنی خواتین کے سماجی حقوق کی لڑائی، مردوں کے مقابلے خواتین کو سماجی طور پر مساوی حقوق دلانے کی جدوجہد۔

2. مرد کے تناظر میں ایک عورت

یعنی مردوں نے عورتوں کو کس طرح دیکھا ہے یا اپنی تحریروں میں دکھایا ہے۔ مرد کے مقابلے میں عورت مقام، مرتبے اور مرتبے میں کہاں کھڑی ہے؟ اگر کوئی ناانصافی ہوئی ہے تو کیوں کی گئی اور اس کے محرکات کیا تھے؟ مردوں کے نقطہ نظر سے خواتین کی فکری حیثیت کا تعین کہاں ہوتا ہے؟

3. عورت کے نقطہ نظر میں ایک عورت

یعنی عورت کو عورت کے تناظر میں دیکھا یا پڑھا جائے۔ ایک عورت کو صنفی نفس میں مرد کی ضرورت نہیں ہے، لیکن مرد عورت کو نہیں سمجھ سکتا، صرف عورت ہی عورت کو سمجھ سکتی ہے۔ اس طرح خواتین کے مسائل کو لے کر خواتین کو آگے لایا جائے تاکہ خواتین کے نقطہ نظر سے خواتین کی سماجی، سیاسی، حیاتیاتی اور نفسیاتی درجہ بندی کا تعین کیا جائے۔ (4)

تاریخی اعتبار سے فیمنزم کے بدلتے رجحانات اور تحریکات کی درجہ بندی کے لیے ماہرین نے اسے تین ادوار میں تقسیم کیا ہے۔

پہلا دور؛ انیسوی صدی اور بیسوی صدی کے اوائل (اس دور میں خواتین مردوں کے مساوی حقوق کے لیے برسراحتجاج رہیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس عہد کی تحریک بس نسائی تحریک تھی جس میں قانونی اور سیاسی حقوق کے لیے عورتوں نے مزاحمت کی۔)

دوسرا دور: ۱۹۶۰ سے ۱۹۷۰ تک (اس دور میں عورتوں نے ملازمت کرنے، گھر میں اپنے رول کے تعین، اور جنسیت کے علاوہ سیاسی حقوق کی لیے جدوجہد کی۔)

تیسرا دور: ۱۹۹۰ سے اکیسویں صدی کے اوائل تک

بحیثیت مجموعی ہم کہہ سکتے ہیں خواتین افسانہ نگاروں، ناول نگاروں، محققوں، تنقید نگاروں اور شاعرات نے اردو شعر و ادب کو نہ صرف یہ کہ مالامال کیا ہے بلکہ اپنی موجودگی کا احساس بھی دلایا ہے۔ اگر قرۃ العین حیدر، عصمت چغتائی اور بشریٰ اعجاز کے نام کو حذف کر دیا جائے تو اس کا اثاثہ کم نہیں تو کم وزن ضرور ہو جائے گا اسی طرح سے شاعری میں پروین شاکر، ادا جعفری، بشریٰ اعجاز اور دیگر اہم شاعرات کی خدمات کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ اس پس منظر اور پیش منظر کے بعد یہ کہا جا سکتا ہے کہ اردو شعر و ادب کی آبیاری میں خواتین فنکاروں نے بھی اپنا خون جگر صرف کیا ہے اور کر رہی ہیں اور یہ بات کسی بھی فن پارے کے لیے بڑی اہم ہے کہ اس میں خواتین کی شراکت رہے کہ وہ پہلو بھی تشنہ نہ رہے جس کا بہتر اظہار ان کی نمائندگی سے ہی ممکن ہو اور اردو ادب کو یہ نعمت عظمیٰ ابھی حاصل رہی ہے

ڈاکٹر حمیرا اشفاق جو کہ نہ صرف اردو کی مصنفہ ہیں بلکہ کئی سالوں سے اسلامک یونورسٹی میں اردو ڈیپارٹمنٹ کی سربراہ کی حیثیت سے اپنی ذمہ داریاں سرانجام دے رہی ہیں۔ آپ 15 جون 1981 کو تحصیل کبیر والا کے ایک چھوٹے سے گاؤں "پل مگسیاں وال" میں پیدا ہوئی۔ ڈاکٹر حمیرا کا تعلق "مگسی بلوچ" سے ہے۔ یہ صوبہ بلوچستان کا ایک قبیلہ ہے۔ ان کے والد کا نام اشفاق حسین ہے۔ ڈاکٹر حمیرا کے چھوٹے چچا، میاں چنوں کالج میں اردو کے لیکچرر ہوئے تو انھوں نے ڈاکٹر حمیرا اور ان کے بھائی کو ساتھ لے گئے۔

ڈاکٹر حمیرا اشفاق کا تخلیقی سفر اتنی وسعت کا حامل ہے کہ جس سے کوئی صنفِ سخن بچ نہ سکی آپ نے ناول نگاری، افسانہ نگاری، تحقیق، تنقید اور کالم نگار ہر صنف اور میدان میں اپنی صلاحیتوں کے جوہر دکھائے، ہر صنف کو اپنا مخصوص رنگ اور اسلوب بخشا، آپ نے ہر موضوع پر اپنی چھاپ واضع طور پر ثبت کی۔ ان کی تصانیف تحقیقی اعتبار سے بہت اہمیت کی حامل ہیں۔ ڈاکٹر حمیرا اشفاق کا افسانہ ہو یا ناول یا کوئی تحقیقی مضمون ان کے کلام میں جابجا تانیثیت کے عناصر ملتے ہیں۔ ڈاکٹر حمیرا اشفاق کا تعلق چونکہ صوبہ بلوچستان سے ہے اور ایک عورت ہونے کی حیثیت سے انھیں زندگی کے ہر موقع پر مشکلات کا سامنا ہوا، شاید یہ ہی وجہ ہے کہ وہ عورت کی تکلیف اور اس کے مسائل سے بخوبی آگاہ ہیں۔

اردو ناول اور افسانے کے افق پر ابھرنے والے اس ستارے نے اپنے منفرد موضوعات اور اسلوب سے قارئینِ ادب کو نہ صرف چونکایا بلکہ حقیقت پسندی کے ساتھ ایسے تلخ واقعات کو موضوع بنایا جو حقیقی معاشرے کا حصہ لگتے ہیں۔ان کے افسانوں میں معاشرے کی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے عورتوں پر ہونے والے مظالم کے خلاف قلم اٹھایا گیا ہے۔ عورت کو آج بھی وہ حیثیت حاصل نہیں جو اسے اسلام دیتا ہے۔

افسانہ نگاری حمیرا اشفاق کا تخلیقی جوہر ہے۔اپنے افسانوں میں انھوں نے اپنے اس جوہر کی بھرپور عکاسی کی ہے۔ان کے افسانے سماجی دردمندی کا عکاس ہیں، یہ اچھوتے اور منفرد ہیں،ان کے افسانے پڑھ کر ایسا لگتا ہے جیسے وہ برسوں سے افسانے لکھ رہی ہیں۔ڈاکٹر حمیرا نے اپنے افسانوں میں کہیں مکالمے میں ساری بات کہہ دی ہے اور کہیں ماجرا کہنے کی تکنیک استعمال کی ہے۔

تانیثی تناظر میں جو افسانے لکھے گئے ہیں ان افسانوں میں انھوں نے معاشرے کو جھنجھوڑا ہے اور ساری صورتِ حال کو انسانی سطح پر عورت کی نگاہ سے دکھایا ہے۔اپنے افسانوں میں ڈاکٹر حمیرا سوال اٹھاتی نظر آتی ہیں۔ان کو معاشرتی پابندیوں، رسم ورواج اور مردانہ رشتوں کے بے جا اختیار سے نکلنا ہو گا۔

ان کے نزدیک دبی ہوئی عورت کو دوبارہ اٹھنے کے لیے خود اعتمادی سے کام لینا ہو گا۔ عورت کے اعتماد کو بے شرمی گناہ گردانے والوں کو روکنا ہو گا۔ مصنفہ کے نزدیک عورت اب تک سماج کے دباؤ کے باعث اپنی بہت سی صلاحیتوں کو دبائے ہوئے ہے جو اس کے اندر دوبارہ زندہ ہونے کے لیے کلبلا رہی ہیں۔ ان کو علم و عقل اور حوصلے سے واپس لانے کے لیے ماحول بنانا ہو گا۔ جس کے لیے انھیں لکھنا اور پڑھنا ہو گا۔

ڈاکٹر حمیرا اپنے افسانے گلاب "ایک ایسی عورت کی کہانی ہے جو خود کو نظر انداز کرتی ہے، آج کے دور کے تقاضوں کو پورا کرتی نظر آتی ہے، لیکن ہمارے معاشرے میں اسے آج بھی عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا۔سچ پوچھو اور شکل دیکھو۔ وقت گزرتا گیا، ہاتھ میں لپ اسٹک لہراتے ہوئے مس عطرت نے افسوس سے کہا۔ مصنفہ نے افسانے میں جدید دور کے تقاضوں کو پورا کرنے والی عورت کی تنہائی کا دکھ بیان کیا ہے کہ نوکری نہ ملنے پر بھی تنہائی اسے زندہ درگور کر دے گی۔ میں آپ کو مس پرفیوم میں دس سال سے جانتا ہوں، آپ بہت بہادر ہیں لیکن میں آپ کو مس پرفیوم میں کیسے سمجھاؤں کہ ہر عورت تنہائی کا درد برداشت نہیں کر سکتی۔وہ اپنے افسانے "مٹی, مٹکے اور سونا" میں یہ دکھانے کی کوشش کرتی ہیں ہے کہ انسان ترقی کے ساتھ خون کے رشتوں کی قدر کھو چکا ہے۔ لگتا ہے کہ دولت جذبات اور جذبات پر فوقیت رکھتی ہے، یہاں تک کہ اب ایک ہی معنی کی وجہ سے ایک رسمی تعلق بھی قائم ہو گیا ہے۔ حرص وہوس رگوں میں بس گیا ہے۔ ایک

کروڑ پتی انسان سمجھا جاتا تھا۔ آج کا انسان پیسے کی لالچ اور ہوس کے دلدل میں اس قدر کھو چکا ہے کہ وہ دیہات کے ان پر سکون لمحات کو بالکل بھول چکا ہے جو اس کا کل سرمایہ تھے۔

اپنے افسانے "روشنی کا سفر" میں وہ ایک جاگیر دارانہ نظام کو ظاہر کرتی ہیں جس میں یہ تصور کیا جاتا ہے کے اگر عورتوں کے لیے تعلیم کی راہیں ہموار کی جائیں تو وہ بے شرم ہو جاتیں ہیں عورتوں کو تعلیم دینا گناہ سمجھا جاتا ہے۔ مصنفہ نے اپنے افسانے میں اس بات کی افادیت اور اہمیت کا بھی ذکر ہے کہ ایک تعلیم یافتہ مرد ہو یا عورت معاشرے میں کس طرح اہم کردار ادا کرتا ہے۔

اس افسانے کے ذریعے مصنفہ نے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ درحقیقت عورت ہی ایک ایسی جنس ہے۔ جس پر دنیا کی تعمیر کا انحصار ہے اور یہ تعمیر ناقص رہ جائے گی اگر معمار اپنے فن سے واقف نہ ہو اور اس فن کو بخوبی واقفیت کے لیے عورتوں کو صحیح معنوں میں تعلیم کی ضرورت ہے۔ عورتیں زیورِ تعلیم سے آراستہ ہو کر اپنے گھر بار ،خاندان اور سماج اور قوم کی اصلاح میں نمایاں حصہ لے سکیں گی۔ جس سے نہ صرف قوم کی بے راہ روی کو دور کیا جاسکے گا۔ بلکہ آئندہ نسلوں کی بنیاد بھی بہترین طریقے پر تعمیر ہوتی جائے گی۔

چھٹا افسانہ "حصار" ایک ایسی عورت کی کہانی ہے جو ایک صحافی ہے جو اس سماج کے واقعات و حالات سے مایوسی سے لبریز نظر آتی ہے اور گزرے ہوئے زمانے کے پر سکون لمحات کو یاد کر کے ماضی کے انتشار اور بے چینی سے نکل کر خود کو ہلکا پھلکا محسوس کرتا ہے۔ ڈاکٹر حمیرا اشفاق نے انسانی جذبات و احساسات سے گزرنے والے جبر اور دکھ کا کھل کر اظہار کیا ہے، جس سے انسان زندگی کی نعمت سے محروم ہو جاتا ہے۔ میں اپنے تلاش کے سفر میں ماضی کے بغیر نہیں دیکھنا چاہتا۔ حال کا تعین کیسے ہو سکتا ہے، شاید اسی لیے میرا کوئی مستقبل نہیں، لیکن وقت سے پہلے اس کا تعین کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ بہت دور ہو سکتا ہے، لیکن مستقبل میرے ہاتھ میں مٹھی بھر پھولوں کی پنکھڑیوں کے ساتھ منتظر ہے۔ مصنفہ نے اس افسانے میں دیہاتی ماحول کا ذکر کیا ہے۔

افسانہ "کتبوں کے درمیان" میں البتہ عام رویوں کی وجہ سے امید اور خواہش کے مقبروں پر کتبوں کی کہانی ہے۔ جہاں عورت کی تعلیم کی خواہش کی قبر ہے، وہاں بیٹے کی تلاش میں الیکٹرونک مشینوں کے ذریعے پیٹ پالتی ہوئی عورت کی امید کی قبر ہے، جو عورت کو انسان نہیں سمجھتے، یہ کل کی قبر ہے۔ معاشرے کے

انسانوں کی بے حسی ان کتبوں میں غیر روایتی روایتی معاشرے کی عکاسی کی وجہ سے ضمیر اعتراض کرنے والے کے ضمیر کی قبر ہے اور ان کتبوں میں مصنفہ اپنی قبر کو دیکھ کر پریشان ہیں۔

افسانہ "عشق سمندر" کی کہانی بھی ایک محنت کش عورت کی کہانی ہے جو محنت سے اپنے غریب خاندان کی تقدیر بدل دیتی ہے اور ایک امیر کی ہوس کا نشانہ بن جاتی ہے۔ افسانہ "ایڈم اور میں" میں بیرون ملک ایک پاکستانی کے اندھے بیٹے کی کہانی ہیں جسے ایک مہربان پاکستان لایا جاتا ہے تو پاکستان میں دادی اسے آنکھیں دکھاتی ہیں اور غلط راستہ ٹھیک کرتی ہیں۔۔ افسانہ "ایڈم اور میں" ملمع اور ظاہری شان و شوکت میں رہتے ہوئے قربانی کے خونی رشتوں سے لاتعلقی کا شکار رہے ہیں اور یہ دکھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ خون کے رشتے بڑی قربانیوں سے دریغ نہیں کرتے۔

"مس للی" کے عنوان سے یہ افسانہ مرد اور عورت کے علاوہ معاشرے میں تیسری جنس کے وجود سے انکار کا رونا ہے۔ قدرت کے فیصلوں کو نظر انداز کر کے معاشرے میں مقام و مرتبہ کو برقرار رکھنے اور بیٹیوں کے رشتے میں رکاوٹ سمجھنے کے بعد جب ایک ہی کوکھ سے پیدا ہونے والے ہم جنس کے بھائی کو بیرون ملک بھیجا جاتا ہے تو اسے للی کی کمی محسوس ہوتی ہے۔ چہرے کے ذریعے آشنا کی صورت میں، اس وقت دانتوں سے کاٹنے پر بھی خون نہیں نکلتا۔ مس للی جیسے کردار ہر روز چوکوں میں نظر آتے ہیں جو اس معاشرے کا حصہ ہیں لیکن معاشرہ پھر بھی انھیں اپنا حصہ ماننے سے انکاری ہے۔

کتاب کا آخری افسانہ "تھوک" ہے۔ تھوک جاگیر دارانہ سماج کے اوپری اور نچلے طبقے کی سماجی تقسیم کو بیان کرتا ہے۔ ہوس کی کوشش، یہ افسانہ اعلیٰ طبقے کی ذہنیت اور کسانوں، مزدوروں اور محنت کشوں کی بہوؤں کے تئیں اعلیٰ طبقے کے مردوں کی جنسی نفسیات کی عکاسی کرتا ہے۔ ان کے افسانے ، گلاب ، حصار، جادوگر، کتبوں کے درمیان ، روشنی کا سفر ، عشق سمندر، میں-میں = ہم اور تھوک میں عورت کا استحصال دکھایا گیا ہے۔ کبھی اسے تنہائی بخش دی جاتی ہے۔ کبھی مار دیا جاتا ہے یا کسی دوسرے کو بیچ دیا جاتا ہے۔ عورت کو سامان سمجھا جاتا ہے۔ یعنی اس سے کوئی مرضی نہیں پوچھی جاتی۔ ڈاکٹر حمیرا نے اپنے افسانوں میں جاگیرداروں کا حقیقی چہرہ معاشرے کے سامنے پیش کیا ہے۔ جاگیر دانہ نظام کو موضوع بنا کر عورتوں پر ہونے والے ظلم کے خلاف آواز اُٹھائی ہے۔ آپ نے مرد معاشرے کو ہر طرح سے پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

"کتبوں کے درمیان افسانوی مجموعہ کا سب سے اہم موضوع عورتوں کا استحصال اور بے روزگاری ہے۔ ان معصوم عورتوں، لڑکیوں کی بے بسی ہے جنھیں کبھی تو ہوس کا نشانہ بنایا جاتا ہے اور کبھی تنہائی جیسا

کرب دے دیا جاتا ہے۔ حمیرا اشفاق نے اپنے ہر افسانے میں ایک عمدہ سوال قارئین کے سوچنے کے لیے چھوڑ دیا ہے۔ جس کو قاری بعد میں سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ ان افسانوں کو سرسری پڑھنا بہت مشکل ہے کیونکہ ہو کہانی اپنے اندر حقیقت کو سموئے ہوئے ہے۔

ناول می سوزم تانیثیت کے تناظر میں لکھا جانے والا ڈاکٹر حمیرا کا پہلا ناول ہے۔ اپنے اس ناول می سوزم میں انھوں نے رابعہ خضداری کی کہانی کو بہت موثر انداز سے بیان کیا ہے۔ رابعہ خضداری رود کی کی ہم عصر تھیں۔ نہایت ذہین، سمجھدار اور بہت سی صلاحیتوں کی مالک تھیں۔ رابعہ خضداری نے فارسی اور عربی دونوں زبانوں میں شاعری کی۔ ڈاکٹر حمیرا اشفاق نے اپنے اس ناول میں رابعہ خضدار کی کہانی بیان کی ہے جن کو ان کے بھائی نے کاروکاری کے جرم میں قتل کر دیا تھا۔ حمیرا اشفاق نے اس بدقسمت شہزادی کی زندگی کے بارے میں لکھا ہے جسے بلوچستان کے قبائلی رسم و رواج کا پہلا کاٹنا پڑا۔

رابعہ خضداری اپنی ہمت اور بے باکی بنا پر پورے ناول پر حاوی دکھائی دیتی ہے جو کہ اس ناول کا ایک اہم اور مرکزی کردار ہے۔ امام خاتون، شاہ بانو، گلِ رعنا اور بے تاش بھی اس ناوک کے اہم کردار ہیں۔ یہ سب کے کردار زندگی سے بھرپور اور زندہ دل ہیں اور تانیثی تناظر میں نہایت اہم ہیں۔ یہ کردار افسانے میں جہاں اپنے ہونے کا یقین دلاتے ہیں وہیں اپنی جرات، بے باکی اور بہادری سے، ظلم اور جبر کے خلاف لڑنے کے لیے تیار نظر آتے ہیں۔ مثلاً گلِ رعنا اپنی جان پر کھیل کر بیکتاش کو حارث کی قید سے آزاد کرانے کی کوشش کرتی ہے۔ اس سارے ناول میں گلِ رعنا کا کردار اس بلوچ خاتون کی بہادری اور ذہانت کی دلیل ہے۔

ناول کے مرکزی کردار رابعہ خضداری کا بھائی حارث اپنی بہن سے حسد کرتا تھا اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کی بہن پڑھ لکھ کر کل کو ریاست کے معاملات کو سنبھالے۔ امیر کعب (رابعہ خضدار کے والد) بلخ اور خضدار کا ایک رحم دل، بہادر اور فہم و فراست جیسی خوبیوں کا حامل بادشاہ تھا۔ اقتدار کے نشے نے امیر کعب کے بیٹے حارث کو اندھا کر دیا تھا اس نے امیر کعب کے خاص باورچی سے مل کر امیر مقام کے کھانے میں زہر کی طرح کچھ ایسی چیزیں ان کو کھانے میں ملا کر دی گئی جس سے ان کے اندرونی طاقت کو شدید نقصان پہنچا اور زندگی کی بازی ہار گئے۔

امیر مقام کے مرنے کے فوراً بعد ہی ان کا بیٹا حارث تخت نشین ہو گیا اور اس کے تخت نشین ہونے سے رعایا پر ظلم و ستم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ بلخ اور خضدار کے نوجوانوں کے زبردستی فوج میں بھرتی کیا گیا، حکم نہ ماننے والوں کو جابر حکمران حارث قتل کر دیتا تھا۔ حارث نے کہرام مچار کھا تھا اور رعایا پر بھی بے جا ظلم و ستم کے پہاڑ ڈھارہا تھا تو رابعہ شہزادی سے یہ سب کچھ برداشت نہ ہو سکا، اس نے ایک بہادر اور عظیم جنگجو بیکتاش کو خط لکھا جس میں ریاست کے معاملات پر رازداری سے نظر رکھنے کی ہدایت کی اور پھر اسی جنگجو سے رابعہ شہزادی کو عشق بھی ہو جاتا ہے اور یہی عشق آخر میں رابعہ خضداری کی موت کا سبب بنتا ہے۔

حسب وعدہ اور ریاست سے وفاداری کرتے ہوئے بیکتاش نے ہر لمحہ شہزادی کا ساتھ دیا اور ایک عظیم جنگجو ہونے کے ناتے محلات میں موجود تمام سازشوں کو شہزادی کے سامنے بے نقاب کیا اور امیر مقام کی موت سے بھی پردہ اٹھایا اور ثبوت بھی پیش کیے جس میں امیر خاتون اور بادشاہ کعب کے کھانے میں زہر ملانے والا کوئی اور نہیں بلکہ ان کا بیٹا حارث ملوث تھا جسے تخت کے نشے اور اقتدار کی ہوس نے اندھا کر دیا تھا۔ یوں اقتدار کے نشے میں دھت حارث نے اپنے عظیم جنگجو کے ساتھ ساتھ اپنی بہن کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا۔

ڈاکٹر حمیرا اشفاق نے بلوچستان کے قبائلی رسم و رواج، معاشی بدحالی، جنگی ماحول، سماجی گھٹن، خواتین کے حقوق کی پامالی اور اس کی سماجی حیثیت، عورت کی طرف سے اظہار عشق اور غریبوں کے استحصال کو اپنے ناول کا موضوع بنایا ہے۔ ڈاکٹر حمیرا اشفاق احمد نے قبائلی رسم و رواج کو اپنے ناول "می سوزم" میں دکھایا ہے کہ کس طرح عورت کو مرد سے کمتر سمجھا جاتا ہے، پدرسری نظام ہو یا آج کے جدید دور کا جمہوری نظام عورت پھر بھی لاچار اور بے بس دکھائی دیتی ہے۔

ناول "میں سوزم" میں محبت کا فلسفہ بھی خوبصورتی سے بیان کیا گیا ہے۔ عشق نسب، ذات پات کے اعتبار سے نہیں دیکھا جاتا بلکہ ہو جاتا ہے۔ یہ محبت بڑے آدمی کو چھوٹے آدمی کے ساتھ ہوتی ہے اور یہ بھی ہوتا ہے کہ چھوٹا آدمی بڑے آدمی سے ہو جاتا ہے، محبت پر نسب، ذات یا مذہب کی کوئی پابندی نہیں ہوتی۔ ناول "میں سوزم" میں شہزادی رابعہ خضداری کو اپنے غلام اور عظیم جنگجو بیکتاش سے محبت ہو جاتی ہے اور وہ شہزادی اس کی محبت حاصل کرنے کے لیے اپنی جان کو خطرے میں ڈال دیتی ہے۔

رابعہ خضداری حسب ونسب کے اعتبار سے محبت پر یقین نہیں رکھتیں بلکہ ان کا کہنا ہے کہ محبت زندگی میں نعمت کی طرح آتی ہے اور یہ محبت کسی سے بھی ہو سکتی ہے۔مجھ جیسی شہزادی کو بیکتاش سے پیار ہو گیا اور محبت میں بیکتاش کو غلام نہیں بلکہ اپنے برابر سمجھتا ہوں کیونکہ ہمارا مذہب کسی کو کمتر نہیں سمجھتا۔رابعہ خضداری کی شکل میں ڈاکٹر حمیرا اشفاق کا تصور محبت کچھ یوں ہے: "رعنا!عشق میں ذات پات،اونچا،بڑا حتیٰ کہ میں اور تم کا جھگڑا بھی ختم ہو جاتا ہے۔

می سوزم ناول میں بیان کیے گئے عشق کے فلسفے کو اگر آج کے سماج میں دیکھے تو عورت اظہار محبت کرنے میں آزاد نہیں ہے،اس کی پسند ناپسند آج بھی نہیں پوچھی جاتی اور اگر سماج سے بغاوت کر کے کسی سی عشق کر بیٹھے تو اسے آج بھی غیرت کے نام پر قتل کر دیا جاتا ہے۔رابعہ خضداری جیسی کتنی خواتین ہیں جنھیں غیرت کے نام پر قتل کر دیا جاتا ہے یا پھر زبردستی انھیں کسی کے ساتھ باندھ دیا جاتا ہے۔می سوزم ناول میں رابعہ خضداری کو بیکتاش سے عشق کرنے کے جرم کے پاداش میں قتل کر دیا جاتا ہے۔

اس ناول میں ڈاکٹر حمیرا اشفاق احمد نے دکھایا ہے کہ طاقت کا منبع اشرافیہ کے پاس ہوتا ہے۔اشرافیہ ان مڈل کلاس کو بوقت ضرورت اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرتے آئے ہیں۔عبدالستار گھنی مڈل کلاس سے تعلق رکھتا ہے

اس ناول میں ڈاکٹر حمیرا اشفاق احمد نے دکھایا کہ ایلیٹ کلاس کس طرح متوسط طبقے کے لوگوں کا استحصال کر رہی ہے۔متوسط طبقہ کتنا ہی قابل کیوں نہ ہو، طاقت کا سرچشمہ جاگیردار اور سرمایہ دار اشرافیہ کے پاس ہے۔اس طاقت سے فائدہ اٹھانے کے لیے متوسط طبقے کو اس طاقت کی چھتری تلے پناہ لینے کے لیے ان کو ملازم رکھنا پڑتا ہے، اکثر اپنی انا کی قربانی دینا پڑتی ہے۔جو لوگ ایسا نہیں کرتے، یا جن کو ایسا کرنے کا موقع نہیں ملتا، وہ اس بے انصاف، طاقت کے زور پر چلنے والے معاشرے میں اپنا وقت یتیموں کی طرح گزارتے ہیں، جس کی عزت، آبرو، جان و مال کسی بھی طاقتور کے ہاتھ میں ہے۔وقت ضائع کیا جا سکتا ہے۔یہ کمزوری کا احساس ہے جس کا علاج یہ کم پڑھے لکھے متوسط طبقے کے لوگ طاقت وروں کی ملازمت اور وفاداری میں تلاش کرتے ہیں۔

ناول "می سوزم" کی زبان بالکل سادہ، سلیس اور عام فہم ہے۔ واقعات ایسے ایک دوسرے سے مربوط ہیں کہ گویا ایک لڑی میں پرو دیے گئے ہوں۔ قاری کو پڑھتے ہوئے کبھی اکتاہٹ محسوس نہیں ہوتی۔ انداز بیان ایسا ہے کہ جیسے سارے واقعات ہماری آنکھوں کے سامنے رونما ہوئے ہوں۔ الفاظ کا چناؤ بڑا عمدہ کیا گیا ہے۔ کوئی بھی لفظ گراں نہیں گزرتا۔

یہ تاریخی جس کا تعلق تصوف اور حقوق نسواں کی اس تحریک سے بھی ہے جو رابعہ بصری سے شروع ہو کر کشمیر کے للہ عارفہ سے گزر کر پنجاب کے شہزادی زیب النساء مخفی اور پورے ایمان کے ساتھ پہنچتی ہے جو کہ مصنفہ کا خاص موضوع ہے۔

حمیرا اشفاق نے اپنی تخلیقی صلاحیتوں سے نایاب اور قابل عمل کردار کو اپنے موزوں تحریری انداز اور موثر پیرا فریز سے خوبصورت بنایا ہے اور قاری مکمل ناول پڑھنے میں دلچسپی لیتا ہے اور کبھی بوائر نہیں ہوتا۔انھوں نے افکار و خیالات، جذبات و احساسات اور دعاؤں اور شکایتوں کی باریکیوں اور پیچیدگیوں کو خوبصورت اور دلکش اسلوب بیان کیا ہے جس میں نادریت اور قوت کے ساتھ ساتھ فصاحت و بلاغت بھی ہے۔ان کا یہ ناول اچھی زبان اور دلکش انداز بیان کا ضامن ہے۔

اس مقالے کا تیسرا باب "حمیرا اشفاق کی تحقیق اور تدوین میں تانیثی رجحان کا مطالعہ ہے اس باب کو کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے حصے میں ان کی تحقیق اور دوسرے حصے میں ان کی تدوین کو تانیثیت کے تناظر میں پرکھا گیا ہے۔ تانیثیت بلاشبہ ادب میں عورتوں کی خدمات کو آشکار کرتا ہے، ان کی تخلیقات کے معیار واقدار کو واضح کرتا ہے۔

پہلے حصے میں تانیثیت کا نیا دور، فہمیدہ ریاض تحقیق و فن اردو فکشن میں خواتین کے تخلیقی سفر کے احوال ومقامات کو مقالے کا موضوع بنایا گیا ہے۔

ڈاکٹر حمیرا اشفاق نے اپنی اس کتاب" تانیثیت کا نیا دور" میں نسائی افسانے 1919 تا 2019 کو چار دریچوں میں تقسیم کیا ہے۔پہلا باب میں نابینا اور معذور قلم کار خواتین سے مصاحبے شامل ہیں، دوسرے باب میں تاریخ اور ادب کے تناظر میں پاکستانی تانیثیت کی وضاحت کی گئی ہے۔تیسرا باب "پرانا فسانہ " کے نام سے ہے۔اس باب (دریچے) میں رضیہ سجاد ظہیر، رشید

جہاں،جمیلہ ہاشمی، بانو قدسیہ اور دیگر افسانہ نگاروں کے افسانوں کو شامل کیا گیا ہے۔چوتھے باب کا عنوان"نیافسانہ" کے نام سے ہے اس دریچے میں جدید دور کے افسانہ نگاروں بشریٰ اقبال ملک، ڈاکٹر حمیرا اشفاق ، آمنہ مفتی ، صوفیہ کاشف اور دیگر افسانہ نگاروں کے افسانے شامل ہیں۔

ڈاکٹر حمیرا کی اس کتاب کو اردو کی اہل قلم خواتین کے ادراک اور ہوش کے مطالعاتی جائزے کی کتاب بھی قرار دیا جاتاہے۔اپنی اس کتاب میں ڈاکٹر حمیرا ماضی اور حال کی افسانہ نگار خواتین کے ایک صدی پر محیط افسانوں کو یکجا کرکے پیش کرتی ہیں۔ دراصل وہ چاہتی ہیں کہ آج اور کل کی خواتین کے شعور وآگہی کے فرق اور معیار کو جاننا اور نئی یا پرانی سوچ کے زاویوں پر سنجیدگی سے غور کیا جائے۔

ڈاکٹر حمیرا اشفاق کا یہ مضمون"فہمیدہ ریاض تحقیق و فن" اگرچہ فہمیدہ ریاض کی شاعری کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتاہے اور فہمیدہ ریاض کی تصانیف کے فکری اور نظریاتی شعور سے بھی آگاہ کرتا ہے۔ڈاکٹر حمیرا اشفاق نے اپنے طور پر فہمیدی ریاض کی شاعری کی تین بنیادی جہتوں کو سمجھنے اور سامنے لانے کی کوشش کی ہے۔جن میں رومانویت،تانیثیت اور ان کا سیاسی اور عصری شعور شامل ہے۔

ڈاکٹر حمیرا اشفاق ہمیں بتاتی ہیں کہ فہمیدہ ریاض کی شاعری صرف تانیثی جذبوں کی ترجمان ہی نہیں ہے۔بلکہ اس میں خواتین کے حقوق کی آواز، اس کے استحصال کے خلاف صدائے احتجاج بھی بڑی واضح نظر آتی ہے۔فہمیدہ ریاض نے اس معاشرتی جبر کے خلاف قلم اٹھایا۔جس میں عورت کو کبھی صارف کی نظر سے دیکھا گیا تو کبھی اسے پدر سری معاشرے کی غیر منصافانہ تقسیم کی بھید چڑھادیا گیا۔

ڈاکٹر حمیرااشفاق کا مضمون ”اردو فکشن میں خواتین کا تخلیقی سفر“ اردو تحقیق میں بڑی اہمیت کا حامل ہے۔اس مضمون کے مطالعہ سے ہمیں اردو ادب میں خواتین کی خدمات کا پتہ چلتا ہے، اس کے ساتھ ان کی تخلیقات کے معیار اور اقدار کو بھی واضح ہوتا ہے۔سکھ مذہب رائج تھا اور خواتین مصنفین کو خواتین کے طور پر روایتی نمبر لکھنے کی ترغیب دی جاتی تھی۔لیکن آج کی خواتین نثر نگاروں پر غور کریں تو مرد مصنفین کے ساتھ اس روایتی سلوک کو برقرار رکھنے کی

ضرورت ہے۔اگر ناول کی تاریخ اٹھا کر دیکھیں تو "قرۃ العین حیدر سے بہتر کوئی نام نظر نہیں آتا۔

ڈاکٹر حمیرا اشفاق اپنے اس مضمون میں بتاتی ہیں کہ عورت کو، اس کے وجود کو،اور اس کے شعور کو الگ الگ دیکھا گیا۔اگر وجود کا ذکر کریں تو دیوان کے دیوان بھرے نظر آتے ہیں۔مگر اس کے شعور کی تلاش میں نکلیں توادب میں اس کو سراہنا تو درکنار ، اس کا ذکر تک نہیں ملتا۔اگر اردو ادب کی تاریخ کو کھنگالا جائے تو اردو ادب کی ترویج میں درج ذیل نام پیش پیش نظر آتے ہیں۔ان میں ملکہ سلطان،جہاں بیگم، بیگم فرمان روائے بھوپال، محمدی بیگم ، عطیہ فیضی ، نذر سجاد، ،نفیس دلہن ، صغریٰ ہمایوں، موتی بیگم، فاطمہ زہرا بیگم، عباسی بیگم،خجستہ اختر، حامدہ بیگم الخیری، خدیجہ الکبریٰ، مہدی بیگم،وحیدہ بیگم اور بیگم شاہنواز شامل ہیں۔

حاجرہ مسرور ترقی پسند تحریک کی نمائندہ افسانہ نگار ہیں۔انھوں نے عورت کی نفسیاتی اور ذہنی الجھنوں کو اپنے افسانے کا موضوع بنایا۔ایک اورنام محترمہ قرۃالعین حیدر کا ہے۔

اس باب کادوسرا حصہ "حمیرا اشفاق: تحقیق و تدوین میں تانیثی رویوں کا تجزیاتی مطالعہ کے نام سے ہے جس میں درج ذیل موضوعات کو

حمیرا اشفاق کی ترتیب و تدوین شدہ کتاب "نثر رشید جہاں" جو افسانوں، ڈراموں اور مضامین کا بہترین انتخاب ہے۔ ڈاکٹر حمیرا اشفاق صاحبہ ایک ماہر نقاد، افسانہ نگار، اور لوک داستان نگار، صنفی تجزیہ نگار کے ساتھ ساتھ پی ایچ ڈی اسکالر اور استاد ہیں۔بیک وقت اتنے عہدوں پر کام کرتے ہوئے، ادبی تحقیق و تنقید کے مختلف موضوعات پر مکمل ع بوائز اور پختہ گرفت رکھتے ہوئے، ایسے اچھوتے موضوعات اور زندگی کے چھپے گوشے جو عام آنکھ سے نظر نہیں آتے، تلاش کر کے بیان کیے ہیں ۔جنھیں پڑھ کر نہ صرف قاری حیران رہ جاتا ہے بلکہ وہ اس لفظوں کی دنیا میں کھو جاتا ہے۔

اپنی کتاب میں"نثر رشید جہاں " وہ لکھتی ہیں کہ رشید جہاں نے عورت کے ہاتھوں عورت کے استحصال کو موضوع بنایا۔جہاں زندگی اور موت کی کشمکش میں اس دوران دوسری عورتوں کی بے حسی اور جاہلانہ رویوں کورشید جہاں نے موضوع بنایا۔ان کی تخلیقات سماج میں عورت کی بے بسی کی عکاس ہے۔زمانے کے فرسودہ رویوں پر رشید جہاں طنز کرتی نظر آتی ہیں۔

ڈاکٹر حمیرا اشفاق کی تدوین شدہ کتاب مجموعہ ِ محمدی بیگم،"محمدی بیگم کی تحریروں کا ایک مجموعہ ہے۔جس میں ڈاکٹر حمیرا نے نے محمدی بیگم کے تمام کلام(تحریروں) کو یکجا کر کے نہ صرف ایک کتاب کی شکل دی ہے بلکہ محمدی بیگم کو خراجِ تحسین بھی پیش کیا ہے۔

ڈاکٹر حمیرا اشفاق نے اپنے اس مجموعہِ محمدی بیگم میں محمدی بیگم کی تصانیف کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔پہلے حصے میں انھوں نے افسانوی نثر ، جبکہ دوسرے حصے میں غیر افسانوی نثر کو بیان کیا ہے۔

ڈاکٹر حمیرا اشفاق نے اپنی تدوین اور ترتیب شدہ کتاب"عصمت" میں نو آبادیاتی ہندوستان میں خواتین کی مجلاتی صحافت کو بیان کیا ہے۔یہ وہ دور تھا جب خواتین کے لیے تعلیم دروازے تقریبا بند تھے۔ان مقفل کواڑوں کو کھولنے میں خواتین کے ادبی رسائل کا کردار مسلم ہے۔اس دور میں "عصمت" اپنی انفرادیت کے ساتھ خواتین کے لیے بیداری شعور کا اہم پیغام بن کر آیا۔

ب۔ نتائج:

اس تحقیق سے سامنے آنے والے حاصلات کو درج ذیل نکات کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے۔

1. اردو ادب میں تانیثی مسائل کی نوعیت ایک جیسی رہی ہے چاہے مرد لکھاری ہو یا خاتون لکھاری، انھوں نے روایتی مسائل کو موضوع بنایا۔اس کے پیچھے درپیش محرکات کا جائزہ لیا جائے تو اس کی ایک بڑی وجہ پدر سری نظام اور جاگیر دارانہ نظام اور مذہبی اجارہ داری ہے۔ جس کی وجہ سے عورت اپنے بنیادی حقوق سے محروم رہ جاتی ہے۔
2. ڈاکٹر حمیرا کے افسانوں میں ہمیں ہر طرح کے تانیثی مسائل ملتے ہیں، جن کا تعلق عام عورت سے بھی ہے اور ملازمت پیشہ عورت سے بھی، یہ مسائل دیہاتی لڑکی کو بھی درپیش ہیں اور شہری کو بھی، بس ان کی نوعیت ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ **کتبوں کے درمیان** اور ناول **می سوزم** میں پیش کیے جانے والے سب کردار حقیقی ہیں۔ان کا ماورائی دنیا سے کوئی تعلق نہیں۔
3. ڈاکٹر حمیرا اشفاق کی غیر افسانوی نثر میں عورتوں مظلومیت کی بنیادی وجہ مردوں کا روایتی طرزِ عمل ہے۔مرد عورت کو اپنی جاگیر سمجھتا ہے۔ڈاکٹر حمیرا کا خیال ہے کہ عورت کا کام مرد کے حکم کی تکمیل ہے۔اگر اس امر میں عورت سے کوتاہی ہو جائے تو عورت کی سرزنش ہوتی ہے۔ان کی تخلیقات میں زندگی کے ہر شعبے سے تعلق رکھنے والے کردار نظر آتے ہیں۔ڈاکٹر حمیرا نے یہ کردار انسانی نفسیات کو قریب رکھ کر تخلیق کیے ہیں۔اس لیے ان کرداروں کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ حمیرا اشفاق نے یہ کردار عوام الناس کے اندر رہ کر تخلیق کیے ہیں۔یہ بات مصنفہ کی قوتِ مشاہدہ کی واضح دلیل ہے۔

ج۔ سفارشات

ابواب کی گئی بحث اور حاصل ہونے والے نتائج کی روشنی میں درج ذیل سفارشات پیش کی جاتی ہیں۔

1. تانیثی تناظر میں ڈاکٹر حمیرا اشفاق اور عصرِ حاضر کے مصنفین کے کام کا تقابل ہونا چاہیے۔
2. ڈاکٹر حمیرا اشفاق پر ابھی تک صرف ایک مقالہ منظرِ عام پر آیا۔ ان کی کتابوں پر مزید تحقیقات کی گنجائش ابھی باقی ہے۔
3. اردو ادب کے نثری اصناف میں تانیثیت کے تناظر میں کیا تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں۔ ان تبدیلیوں کے پیچھے کیا وجوہات تھیں۔ اس نقطے کو مدِ نظر رکھتے ہوئے مزید تحقیقی عمل کی ضرورت ہے۔

کتابیات

کتابیات

بنیادی ماخذ:

حمیرا اشفاق، ڈاکٹر، می سوزم، سنگ میل پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۲۱ء۔

حمیرا اشفاق، ڈاکٹر، مجموعہ محمدی بیگم (مرتبہ)، سنگِ میل پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۱۹ء۔

حمیرا اشفاق، ڈاکٹر، کتبوں کے درمیان، سنگِ میل پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۱۹ء۔

حمیرا اشفاق، ڈاکٹر، تانیثیت کا نیا دور، سنگِ میل پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۱۹ء۔

حمیرا اشفاق، ڈاکٹر، عصمت، سنگِ میل پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۱۸ء۔

حمیرا اشفاق، ڈاکٹر، نثر رشید جہاں (مرتبہ)، سنگِ میل پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۱۲ء۔

ثانوی ماخذ:

احمد ندیم قاسمی، بین (مجموعہ)، سنگِ میل پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۰۸ء۔

انور پاشا (مرتب)، تانیثیت اور ادب، عرشیہ پبلیکیشنز، دہلی، ۱۹۹۰ء۔

رفیع الدین ہاشمی، اصنافِ ادب، سنگِ میل پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۰۸ء۔

صغریٰ مہدی، اردو ادب کو خواتین کی دین، اردو اکادمی، دہلی، ۱۹۹۴ء۔

عزیز احمد، کالی رات، موڈرن پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۲۰۱۸ء۔

عزیز احمد، زون، موڈرن پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۲۰۰۵ء۔

عزیز احمد، کلیات عزیز احمد، موڈرن پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۲۰۰۵ء۔

فاطمہ حسن، ڈاکٹر، فیمنزم اور ہم، وعدہ کتاب گھر، لاہور، ۲۰۱۳ء۔

فاطمہ حسن، خاموشی کی آواز، وعدہ کتاب گھر، لاہور، اپریل ۲۰۱۳ء۔

فہمیدہ ریاض (مرتب)، ادب کی نسائی رد تشکیل، وعدہ کتاب گھر، کراچی، ۲۰۰۶ء۔

قاسم یعقوب، لفظ اور تنقید معنی، پورب اکادمی، اسلام آباد، ۲۰۱۷ء۔

قمر رئیس، پروفیسر (مرتب)، نمائندہ اردو افسانے، اردو اکادمی دہلی، ۱۹۹۴ء۔

کشور ناہید، سوختہ سامانی دل، سنگ میل پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۰۲ء۔

ناصر عباس نیرؔ، ڈاکٹر، جدید اور مابعد جدید تنقید، انجمن ترقی اردو، کراچی، ۲۰۰۴ء۔

رسائل وجرائد:

تحقیقی جریدہ (ریسرچ جرنل)، بین الاقوامی یونیورسٹی، اسلام آباد، شمارہ ۸
روزنامہ ایکسپریس، فیصل آباد، ۱۸/ جون ۲۰۰۸ء۔
معیار (تحقیقی و تنقیدی مجلہ)، بین الاقوامی یونیورسٹی، اسلام آباد۔

لغات:

اردو لغت (تاریخی اصولوں پر)، اردو ڈکشنری بورڈ، کراچی، س ن۔
جمیل جالبی، ڈاکٹر (مرتب)، قومی انگریزی اردو لغت، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۲۰۰۸ء۔

ویب گاہیں:

www.humsub.com.pk

www.masterclass.com

www.taemeernews.com

مقالہ جات:

بشریٰ رفیق، ڈاکٹر، حمیرا اشفاق کی افسانوی جہت: تنقیدی مطالعہ مقالہ برائے ایم فل (اردو)، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان، ۲۰۲۲ء۔
جویریہ ڈوگر، تانیثیت کی روشنی میں فہمیدہ ریاض اور پروین شاکر کے کلام کا مطالعہ مقالہ برائے ایم فل (اردو)، جی۔ سی یونیورسٹی، لاہور ۲۰۰۷ء۔
دونیا یوسف، فہمیدہ ریاض اور مایا اینجلو کی نظموں میں تانیثی شعور (تقابلی مطالعہ)، مقالہ برائے پی ایچ ڈی (اردو)، NUML، اسلام آباد، ۲۰۱۷ء۔
رومیسہ سہیل، شاعری اور نسائی شعور، مقالہ برائے پی ایچ ڈی (اردو)، NUML، اسلام آباد، ۲۰۱۷ء۔
سکینہ صدیق، خواتین کی اردو آپ بیتیوں میں تانیثی تصورات (تحقیقی و تنقیدی مطالعہ)، مقالہ برائے ایم فل (اردو)، NUML، اسلام آباد،

شازیہ اکبر، عصمت چغتائی اور ممتاز شیریں کے افسانوں میں تصور عورت (تجزیاتی و تقابلی مطالعہ)، مقالہ برائے پی ایچ ڈی (اردو)، NUML، اسلام آباد، ۲۰۱۷ء۔
شائستہ خالد، نیلو فر اقبال کے افسانوں میں تانیثی شعور، مقالہ برائے پی ایچ ڈی (اردو)، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور، ۲۰۱۰ء۔

انٹرویو:

راقم کا ڈاکٹر سمعیہ چغتائی سے انٹرویو بمقام اسلامک یونیورسٹی بتاریخ 19 جنوری 2023

راقم کا انٹرویو" ڈاکٹر نوشین قمر بمقام اسلام آباد ماڈل کالج فور گرلز I-8/3 بتاریخ 22-11-22